

ISLAM ISEEL KI PALASAFI YA TAGREER JALSA-E-
92AM MAZAHIB.

- Miesha Ghulam Ahmed.

- Mitha, Magazine (Dawateyeen) (Punjab)

- 1896.

- 148.

5 -



اسلامی سائنس کی فلافی

تقریر خلیفہ اعظم دارالافتاء

بیشی تقریر حضرت حجۃ اللہ میرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی محمود علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کو خلیفہ اعظم دارالافتاء (دعوتِ مسیح) مولانا لاہوریں حضرت مولانا مولوی عبد الکریم صاحب نے پڑھا کر سنا یا۔



مطبع میگزین۔ قادیان میں شریف فقیر اللہ ریاست سینیئر میگزین پبلشر
اہتمام و صدر مخبر احمدی۔ قادیان کیٹیج مطبع مونی

پنجرہ آف اسلام

پبلک کے دینی اور روحانی فائدہ کو مد نظر رکھ کر اور تبلیغ اسلام کا بڑا ذریعہ سمجھ کر اس کتاب یعنی اسلامی اصول کی فلاسفی دیا تقریر جلدیہ اعظمیہ نے اس کا انگریزی ترجمہ کر کے ولایت میں چھپوایا گیا ہے۔ اور اس کی بہت سی کاپیاں ولایت اور دیگر بلاد یورپ۔ امریکہ۔ جاپان وغیرہ میں مفت تقسیم کی گئی ہیں۔ اور کچھ کاپیاں فروخت کے لیے یہاں بھی منگوائی گئی ہیں۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر ایک انگریزی خوان مسلمان کے ہاتھ میں ہو۔ احباب خود بھی خریدیں اور تبلیغ اسلام کے لیے چند کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کر کے اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے لیں۔ قیمت بغرض تو سیع اشاعت باوجود ۲۰۰ صفحہ اور

عمدہ ولایتی کاغذ اور خوبصورت جلد کے بہت ہی تھوڑی رہی ہے۔ یعنی صرف ۱۲۔ بے جلد کی قیمت ۱۲۔

محصول ڈاک اس کے علاوہ ہے

پنجرہ آف اسلام
کاغذی کاپی
فادیان ضلع
گورداسپور
پنجاب

پنجرہ آف اسلام کاغذی کاپی فادیان ضلع گورداسپور پنجاب

موجود نہیں ہوتا اس کتاب کی قیمت ۱۲۔ یعنی پبلک فائدہ اور ہمدردی کے خیال



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِسْلَامِ

اس عنوان کے نیچے ہم اس عظیم الشان مضمون کو درج کریں گے جو حضرت
میرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کی طرف سے جلسہ اعظم مذاہب پر جو دسمبر
۱۹۶۶ء میں منعقد ہوا تھا پڑھا گیا۔ اس کانفرنس کے محرکوں کی طرف سے
مفصلہ ذیل پانچ سوال اس غرض کے لئے شائع ہوئے تھے کہ مختلف
مذاہب کے علماء ان کے جوابات اپنے اپنے مذہب کے رُوسے اس جلسہ
میں پیش کریں:

- (۱) انسان کی جسمانی - اخلاقی اور روحانی حالتیں۔
- (۲) انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبتے۔
- (۳) دنیا میں انسان کی اصل غرض اور اس غرض کی تکمیل کے اسباب۔
- (۴) کرم یعنی اعمال کا اثر دنیا و عاقبت میں۔
- (۵) علم یعنی گیان اور معرفت کے ذرائع اور وسیلے۔



اسلام

مَضْمُونِ عالیجناب حضرت میرزا غلام احمد صاحب ریس قادیان

جس کو مولانا مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی نے

بمقام لاہور جلسہ عظیم مذاہب دھرم ہوتو میں ۲۷ ستمبر ۱۸۹۶ء

کو کھڑے ہو کر سنایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّیْ عَلَیْ رَسُوْلِكَ اَکْرَمِ

آج اس جلسہ مبارک میں جس کی غرض یہ ہے کہ ہر ایک صاحب جو بلاؤ گئے
ہیں سوالات شتہ کی پابندی سے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان فرمادیں
میں اسلام کی خوبیاں بیان کروں گا اور اس سے پہلے کہ میں اپنے مطلب کو
شروع کروں اس قدر ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں نے اس بات کا
الزام کیا ہے کہ جو کچھ بیان کروں خدا تعالیٰ کے پاک کلام قرآن شریف
سے بیان کروں کیونکہ میرے نزدیک یہ بہت ضروری ہے کہ ہر ایک شخص جو کسی
کتاب کا پابند ہو اور اس کتاب کو ربانی کتاب سمجھتا ہو وہ ہر ایک بات میں
اسی کتاب کے حوالہ سے جواب دے اور اپنی وکالت کے اختیارات کو ایسا وسیع

دعویٰ اور دلیل الہامی کتاب سے ہونا ضروری ہے

نہ کرے کہ گویا وہ ایک نئی کتاب بنا رہا ہے۔ سو چونکہ آج ہمیں قرآن شریف کی خوبیوں کو ثابت کرنا ہے اور اس کے کمالات کو دکھلانا ہے اس لیے مناسب ہے کہ ہم کسی بات میں اس کے اپنے بیان سے باہر نہ جائیں اور اسی کے اشارہ یا تصریح کے موافق اور اسی کی آیات کے حوالہ سے ہر ایک مقصد کو تحریر کریں تا ناظرین کو موازنہ اور مقابلہ کرنے کے لیے آسانی ہو اور چونکہ ہر ایک صاحب جو پابند کتاب ہیں اپنی اپنی الہامی کتاب کے بیان سے پابند رہیں گے اور اسی کتاب کے اقوال پیش کریں گے اس لیے ہم نے اس جگہ احادیث کے بیان کو چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ تمام صحیح حدیثیں قرآن شریف سے ہی لگتی ہیں اور وہ کامل کتاب ہے جس پر تمام کتابوں کا خاتمہ ہے۔ غرض آج قرآن کی شان ظاہر ہونے کا دن ہے اور ہم خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ اس کام میں ہمارا مددگار ہو۔ آمین ۛ

سوال اول کا جواب

معزز ناظرین کو خیال ہے کہ اس مضمون کے ابتدائی صفحوں میں بعض تمہیدی عبارتیں ہیں جو بظاہر غیر متعلق معلوم دیتی ہیں مگر اصل جو بات کے سمجھنے کے لیے پہلے ان کا سمجھنا نہایت ضروری ہے اس لیے قبل از شروع مطلب ان عبارتوں کو لکھا گیا کہ تا اصل مطلب سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ اب واضح ہو کہ پہلا سوال انسان کی طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتوں کے بارے میں ہے۔ سو جاننا چاہیے کہ خدا نے تعالیٰ کے پاک کلام قرآن شریف نے ان تین حالتوں کی طرح تقسیم کی ہے کہ ان تینوں کے لیے علیحدہ علیحدہ مبدعہ مٹھرائے ہیں۔ یا یوں کہو کہ تین سرشتیں قرار دیئے ہیں جن میں سے جدا جدا

یہ حالتیں نکلتی ہیں۔

پہلا نفس نامارہ

پہلا سرچشمہ جو تمام طبعی حالتوں کا مورد اور مصدر ہے اس کا نام قرآن شریف نے نفس نامارہ رکھا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّ النَّفْسَ لَا مَاسَاةَ بِالشَّوْءِ ۱۳ یعنی نفس نامارہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو بدی کی طرف جو اس کے کمال کے مخالف اور اس کی اخلاقی حالتوں کے عکس ہے جھکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بد راہوں پر چلانا چاہتا ہے۔ غرض یہ عند الیوں اور بدیوں کی طرف جانا انسان کی ایک حالت ہے جو اخلاقی حالت سے پہلے اس پر طبعاً غالب ہوتی ہے اور یہ حالت اس وقت تک طبعی حالت کہلاتی ہے جب تک کہ انسان عقل اور معرفت کے زیر سایہ نہیں چلتا بلکہ چار پاؤں کی طرح کھانے پینے سونے جاگنے یا غصہ اور جوش دکھانے وغیرہ امور میں طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہے اور جب انسان عقل اور معرفت کے مشورہ سے طبعی حالتوں میں تصرف کرتا اور اعتدال مطلوب کی رعایت رکھتا ہر اس وقت ان تینوں حالتوں کا نام طبعی حالتیں نہیں رہتا بلکہ اس وقت یہ حالتیں اخلاقی حالتیں کہلاتی ہیں جیسا کہ آگے بھی کچھ ذکر اس کا آئے گا۔

اور اخلاقی حالتوں کے دوسرے سرچشمہ کا نام قرآن شریف میں نفس لوامہ ہے جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ الْكَافِرَةِ یعنی میں اس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو بدی کے کام اور ہر ایک بے اعتدالی پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے یہ نفس لوامہ انسانی حالتوں کا دوسرا سرچشمہ ہے جس سے اخلاقی حالتیں پیدا ہوتی ہیں اور اس مرتبہ پر انسان دوسرے حیوانات کی مشابہت سے نجات پاتا ہے اور اس جگہ نفس لوامہ کی قسم کھانا اس عزت دینے کیلئے ہے گویا وہ نفس نامارہ سے نفس لوامہ بن کر جو اس ترقی کے

دوسرا نفس نامارہ

جناب الہی میں عزت پانے کے لائق ہو گیا اور اس کا نام تو امہ اس لیئے رکھا کہ وہ انسان کو بدی پر ملامت کرتا ہے اور اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ انسان اپنے طبعی لوازم میں شتر بے ہمار کی طرح چپلے اور چار پاؤں کی زندگی بسر کرے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے اچھی حالتیں اور اچھے اخلاق صادر ہوں اور انسانی زندگی کے تمام لوازم میں کوئی سبب اعتدالی طور میں نہ آوے۔ اور طبعی جذبات اور طبعی خواہشیں عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر ہوں۔ پس چونکہ وہ بری حرکت پر ملامت کرتا ہے اس لیئے اس کا نام نفس تو امہ ہے یعنی بہت ملامت کرنے والا۔ اور نفس تو امہ اگرچہ طبعی جذبات پسند نہیں کرتا بلکہ اپنے تئیں ملامت کرتا رہتا ہے لیکن نیکیوں کے بجالانے پر پورے طور سے قادر بھی نہیں ہو سکتا۔ اور کبھی نہ کبھی طبعی جذبات اس پر غلبہ کرتے ہیں تب گر جاتا ہے اور ٹھوکر کھاتا ہے گویا وہ ایک کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے جو گناہیں چاہتا ہے مگر کمزوری کی وجہ سے گرتا ہے۔ پھر اپنی کمزوری پر نادم ہوتا ہے۔ غرض نفس کی وہ اخلاقی حالت ہے جب نفس اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر جمع کرتا ہے اور سرکشی سے بیزار ہوتا ہے مگر پورے طور پر غالب نہیں آسکتا۔

پھر ایک تیسرا چشمہ ہے جس کو روحانی حالتوں کا مبدع کہنا چاہیے۔ اس سرچشمہ کا نام قرآن شریف نے نفس مطمئنہ رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے
 يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ سَلَامٌ ۚ
 مَرَضِيَّةٌ ۚ فَادْخُلِي فِي عِبَادِنَا ۚ وَإِذْ خُلِّيَ جَنَّتِي ۚ هٰ بِئْسَ لَـٰئِ
 نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پا گیا اپنے خدا کی طرف واپس چلا آ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت کے اندر آ جا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس میں نفس تمام کمزوریوں سے نجات پا کر

روحانی قوتوں سے بھر جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے ایسا پیوند کر لیتا ہے کہ بنیر اس کے جی بھی نہیں سکتا اور طرح پانی اوپر سے نیچے کی طرف بہتا اور بہ سبب اپنی کثرت کے اور نیز روکوں کے دُور ہونے سے بڑے زور سے چلتا ہے اسی طرح وہ خدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے وہ نفس جو خدا سے آرام پا گیا اس کی طرف واپس چلا آ۔ پس وہ اسی زندگی میں نہ موت کے بعد ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا کرتا ہے اور اسی دنیا میں نہ دوسری جگہ ایک بہشت اس کو ملتا ہے اور جیسا کہ اس آیت میں لکھا ہے کہ اپنے رب کی طرف یعنی پرورش کرنے والے کی طرف واپس آ۔ ایسا ہی اوست یہ خدا سے پرورش پاتا ہے اور خدا کی محبت اس کی غذا ہوتی ہے اور اسی زندگی بخش چشمہ سے پانی پیتا ہے اس لئے موت سے نجات پاتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا یعنی جس نے ارضی جذبات سے اپنے نفس پاک کیا وہ بچ گیا اور نہیں ہلاک ہو گا مگر جس نے ارضی جذبات میں جو طبعی جذبات ہیں اپنے تئیں چھپا دیا وہ زندگی سے ناامید ہو گیا۔

غرض یہ تین حالتیں ہیں جن کو دوسرے لفظوں میں طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتیں کہہ سکتے ہیں اور چونکہ طبعی تقاضے افراط کے وقت بہت خطرناک ہو جاتا ہے اور بے اوقات اخلاق اور روحانیت کا ستیاناس کر دیتے ہیں اس لئے خدائے تعالیٰ کی پاک کتاب میں انکو نفس امارہ کی حالتوں سے موسوم کیا گیا۔ اگر یہ سوال ہو کہ انسان کی طبعی حالتوں پر قرآن شریف کا کیا اثر ہے۔ اور وہ انکی نسبت کیا ہدایت دیتا ہے اور عملی طور پر کس حد تک انکو رکھنا چاہتا ہے تو واضح ہو کہ قرآن شریف کے دوسرے انسان کی طبعی حالتوں کی اسکی

اخلاقی اور روحانی حالتوں سے نہایت ہی شدید تعلقات واقع ہیں۔ یہاں تک کہ انسان کے کھانے پینے کے طریقے بھی انسان کی اخلاقی اور روحانی حالتوں پر اثر کرتے ہیں اور اگر ان طبعی حالتوں سے شریعت کی ہدایت کے موافق کام لیا جائے تو جیسا کہ نمک کی کان میں پڑ کر ہر ایک چیز نمک ہی ہو جاتی ہے ایسا ہی یہ تمام حالتیں اخلاقی ہی ہو جاتی ہیں اور روحانیت پر نہایت گہرا اثر کرتی ہیں۔ اسی واسطے قرآن شریف نے تمام عبادات اور اندرونی پاکیزگی کی اغراض اور خشوع خضوع کے مقاصد میں جسمانی ظہارتوں اور جسمانی آداب اور جسمانی تعدیل کو بہت ملحوظ رکھا ہے اور غور کرنے کے وقت ہی فلاسفی نہایت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جسمانی اوضاع کا رعب پر بہت قوی اثر ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے طبعی افعال کو بظاہر جسمانی ہیں مگر ہماری روحانی حالتوں ضرور انکا اثر ہے مثلاً جب ہماری آنکھیں رونما شروع کریں اور گو تکلف سے ہی روویں مگر فی الفور ان آنسوؤں کا ایک شعلہ اٹھ کر دل پر جا پڑتا ہے۔ تب دل بھی آنکھوں کی پیروی کر کے غمگین ہو جاتا ہے ایسا ہی جب ہم تکلف سے ہنسنا شروع کریں تو دل میں بھی ایک انبساط پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جسمانی سجدہ بھی روح میں خشوع اور عاجزی کی حالت پیدا کر دیتا ہے اس کے مقابل پر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب ہم گردن کو اونچی کھینچ کر اور چھاتی کو ابھار کر چلیں تو یہ وضع رفتار ہم میں ایک قسم کا تکبر اور خود بینی پیدا کرتی ہے تو ان نمونوں سے پورے انکشاف کے ساتھ کھلچاتا ہے کہ بے شک جسمانی اوضاع کا روحانی حالتوں پر اثر ہے۔

ایسا ہی تجربہ ہم پر ظاہر کرتا ہے کہ طح کی غذاؤں کا بھی دماغی اور دلی قوتوں پر ضرور اثر ہے۔ مثلاً ذرہ غور سے دیکھنا چاہیے کہ جو لوگ

کبھی گوشت نہیں کھاتے رفتہ رفتہ انکی شجاعت کی قوت کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ نہایت دل کے کمزور ہو جاتے ہیں اور ایک خدا داد اور قابل تعریف قوت کو کھو بیٹھتے ہیں اس کی شہادت خدا کے قانون قدرت سے اس طرح پر بھی ملتی ہے کہ چار پاؤں میں سے جس قدر گھاس خور جانور ہیں کوئی بھی انہیں سے وہ شجاعت نہیں رکھتا جو ایک گوشت خوار جانور رکھتا ہے۔ پرندوں میں بھی یہی بات مشاہدہ ہوتی ہے پس اس میں کیا شک ہے کہ اخلاق پر غذاؤں کا اثر ہے۔ ہاں جو لوگ دن رات گوشت خواری پر زور دیتے ہیں اور نباتی غذاؤں سے بہت ہی کم حصہ رکھتے ہیں وہ بھی حلم اور انکسار کے خلق میں کم ہو جاتے ہیں اور میانہ روش کو اختیار کر نیوالے وہ دونوں خلق کے وارث ہوتے ہیں اسی حکمت کے لحاظ سے خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے
 کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا یعنی گوشت بھی کھاؤ اور دوسری چیزیں بھی کھاؤ۔ مگر کسی چیز کی حد سے زیادہ کثرت نہ کرو تا اس کا اخلاقی حالت پر بد اثر نہ پڑے اور تائید کثرت مفسر صحت بھی نہ ہو اور جیسا کہ جسمانی افعال اور اعمال کا روح پر اثر پڑتا ہے ایسا ہی کبھی روح کا اثر بھی جسم پر چاڑھتا ہے۔ جس شخص کو کوئی غم پہنچے آخر وہ چشم پر آب ہو جاتا ہے اور جس کو خوشی ہو آخر وہ تبسم کرتا ہے جس قدر ہمارا کھانا پینا سونا جاگنا حرکت کرنا۔ آرام کرنا غسل کرنا وغیرہ افعال طبعیہ ہیں یہ تمام افعال ضروری ہماری روحانی حالات پر اثر کرتے ہیں۔ ہماری جسمانی بناؤں کا ہماری انسانیت سے بڑا تعلق ہے۔ دماغ کے ایک مقام پر چوٹ لگنے سے یک نیت حافظہ جاتا رہتا ہے اور دوسرے مقام پر چوٹ لگنے سے ہوش و حواس رخصت ہوتے ہیں۔ دماغ کی ایک زہریلی ہوا کفہ جلدی سے جسم میں اثر کر کے پھر دل میں اثر کرتی ہے اور دیکھتے دیکھتے وہ

اندرونی سلسلہ جس کے ساتھ تمام نظام اخلاق کا ہے درہم برہم ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ انسان دیوانہ سا ہو کر چند منٹ میں گزر جاتا ہے غرض جسمانی خدمات بھی عجیب نظارہ دکھاتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ روح اور جسم کا ایک ایسا تعلق ہے کہ اس راز کو کھولنا انسان کا کام نہیں۔ اس سے زیادہ اس تعلق کے ثبوت پر یہ دلیل ہے کہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کی مالی جسم ہی ہے حاملہ عورتوں کے پیٹ میں روح کبھی اور نہیں گنتی بلکہ وہ ایک نور ہے جو نطفہ میں ہی پوشیدہ طور پر مخفی ہوتا ہے اور جسم کے نشوونما کے ساتھ چمکتا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کا پاک کلام ہمیں سمجھاتا ہے کہ روح اس قالب میں سے ہی ظہور پذیر ہو جاتی ہے جو نطفہ سے رحم میں تیار ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ **ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ** یعنی پھر ہم اس جسم کو جو رحم میں تیار ہوا تھا ایک اور پیدائش کے رنگ میں لاتے ہیں اور ایک اور خلقت انہیں کی ظاہر کرتے ہیں جو روح کے نام سے موسوم ہے اور خدا بہت برکتوں والا ہے اور ایسا خالق ہے کہ کوئی اس کے برابر نہیں؛

اور یہ جو فرمایا کہ ہم اسی جسم میں سے ایک اور پیدائش ظاہر کرتے ہیں یہ ایک گہرا راز ہے جو روح کی حقیقت دکھا رہا ہے اور ان نہایت مستحکم تعلقات کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو روح اور جسم کے درمیان واقع ہیں۔ اور یہ اشارہ ہمیں اس بات کی بھی تعلیم دیتا ہے کہ انسان کے جسمانی اعمال اور اقوال اور تمام طبعی افعال جب خدائے تعالیٰ کے لیے اور اس کی راہ میں ظاہر ہوں تو ان سے بھی یہی الہی فلاسفی متعلق ہے یعنی ان مخلصانہ اعمال میں بھی ابتداء ہی سے ایک روح مخفی ہوتی ہے جیسا کہ

نطفہ میں مخفی تھی اور جیسے جیسے ان اعمال کا قالب تیار ہوتا جائے وہ روح چمکتی جاتی ہے اور جب وہ قالب پورا تیار ہو چکنا ہے تو یکدم وہ روح اپنی کامل تجلی کے ساتھ چمک اٹھتی ہے اور اپنی روحی حیثیت سے اپنی وجود کو دکھا دیتی ہے اور زندگی کی صریح حرکت شروع ہو جاتی ہے جیسی کہ اعمال کا پورا قالب تیار ہو جاتا ہے معاً تجلی کی طرح ایک چیز اندر سے اپنی کھلی کھلی چمک دکھانا شروع کر دیتی ہے یہ وہی زمانہ ہوتا ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں مثالی طور سے فرماتا ہے **فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ**۔ یعنی جب میں نے اس کا قالب بنا لیا اور تجلیات کے تمام مظاہر درست کر لیئے اور اپنی روح اس میں پھونک دی تو تم سب لوگ اس کے لیئے زمین پر سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤ۔ سو اس آیت میں یہی اشارہ ہے کہ جب اعمال کا پورا قالب تیار ہو جاتا ہے تو اس قالب میں وہ روح چمک اٹھتی ہے جس کو خدائے تعالیٰ اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے کیونکہ دنیوی زندگی کے فنا کے بعد وہ قالب تیار ہوتا ہے اس لیئے الٰہی روشنی جو پہلے دھیمی تھی یکدم فہرک اٹھتی ہے اور واجب ہوتا ہے کہ خدا کی ایسی شان کو دیکھ کر ہر ایک سجدہ کرے اور اس کی طرف کھینچا جائے سو ہر ایک اس نور کو دیکھ کر سجدہ کرتا ہے اور طبعاً اس طرف آتا ہے۔ بجز ابلیس کے جو تاریکی سے دوستی رکھتا ہے :

پھر میں پہلی بات کی طرف رجوع کر کے بیان کرتا ہوں کہ یہ بات نہایت درست اور صحیح ہے کہ روح ایک لطیف نور ہے جو اس جسم کے اندر ہی سے پیدا ہو جاتا ہے جو رحم میں پرورش پاتا ہے۔ پیدا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اول مخفی اور غیر محسوس ہوتا ہے پھر نمایاں ہو جاتا ہے

اور ابتداءً اس کا خمیر نطفہ میں موجود ہوتا ہے بے شک وہ آسمانی خدا کے ارادہ سے اور اس کے اذن اور اس کی مشیت سے ایک جمہول الکئہ علاقہ کے ساتھ نطفہ سے تعلق رکھتا ہے اور نطفہ کا وہ ایک روشن اور نورانی جوہر ہے نہیں کہہ سکتے کہ وہ نطفہ کی ایسی جزو ہے جیسا کہ جسم جسم کی جزو ہوتا ہے مگر یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ باہر سے آتا ہے یا زمین پر گر کر نطفہ کے مادہ سے آمیزش پاتا ہے بلکہ وہ ایسا نطفہ میں مخفی ہوتا ہے جیسا کہ آگ پتھر کے اندر ہوتی ہے خدا کی کتاب کا یہ منشاء نہیں ہے کہ روح الگ طور پر آسمان سے نازل ہوتی ہے یا فضا سے زمین پر گرتی ہے اور پھر کسی اتفاق سے نطفہ کے ساتھ ملکر رحم کے اندر چلی جاتی ہے بلکہ یہ خیال کسی طرح صحیح نہیں ٹھہر سکتا۔ اگر ہم ایسا خیال کریں تو قانون قدرت ہمیں باطل پر ٹھہراتا ہے ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ گندے اور باسی کھانوں میں اور گندے ٹیموں میں ہزار ہا کیڑے پڑ جاتے ہیں میلے کپڑوں میں صد ہا جوئیں پڑ جاتی ہیں۔ انسان کے پیٹ کے اندر بھی کدو دانے وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ باہر سے آتے ہیں یا آسمان سے اترتے کسی کو دکھائی دیئے ہیں سو صحیح بات یہ ہے کہ روح جسم میں سے ہی نکلتی ہے اور اسی دلیل سے اس کا مخلوق ہونا بھی ثابت ہوتا ہے ؟

اب اس وقت ہمارا مطلب اس بیان سے یہ ہے کہ جس قادر مطلق نے روح کو قدرت کاملہ کے ساتھ جسم میں سے ہی نکالا ہے اس کا یہی ارادہ معلوم ہوتا ہے کہ روح کی دوسری پیدائش کو بھی جسم کے ذریعہ سے ہی ظہور میں لاوے روح کی حرکتیں ہمارے جسم کی حرکتوں پر موقوف ہیں جس طرف ہم جسم کو کھینچتے ہیں روح بھی بالضرور پیچھے پیچھے چلی آتی ہے اس لئے انسان کی

طبعی حالتوں کی طرف متوجہ ہونا خدا نے تعالیٰ کی سچی کتاب کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے انسان کی طبعی حالتوں کی اصلاح کے لیے بہت توجہ فرمائی ہے اور انسان کا ہنسنا۔ رونا۔ کھانا۔ پینا۔ سونا۔ بولنا۔ چُپ ہونا بیوی کرنا۔ مجھ دینا۔ چلنا۔ اور ٹھہرنا اور ظاہری پاکیزگی غسل وغیرہ کی شرائط بجالانا اور بیماری کی حالت اور صحت کی حالت میں خاص خاص امور کا پابند ہونا ان سب باتوں پر ہدایتیں لکھی ہیں اور انسان کی جسمانی حالتوں کو روحانی حالتوں پر بہت ہی مؤثر قرار دیا ہے۔ اگر ان حالتوں کو تفصیل سے لکھا جائے تو میں خیال نہیں کر سکتا کہ اس مضمون کے سنانے کے لیے کوئی وقت کافی مل سکے۔

میں جب خدا کے پاک کلام پر غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کیونکر اس اپنی تعلیموں میں انسان کو اسکی طبعی حالتوں کی اصلاح کے قواعد فرما کر پھر آہستہ آہستہ اوپر کی طرف کھینچا ہے اور اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت تک پہنچانا چاہا ہے تو مجھے پُر معرفت قاعدہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اول خدا نے یہ چاہا ہے کہ انسان کو نشست برخاست اور کھانے پینے اور بات چیت اور تمام قسم معاشرت کے طریق سکھلا کر اس کو وحشیانہ طریقوں سے نجات دیوے اور حیوانات کی مشابہت سے تمیز کلی بخش کر ایک ادنیٰ درجہ کی اخلاقی حالت جسکو ادب اور شائستگی کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں سکھلاوے پھر انسان کی نیچرل عادات کو جن کو دوسرے لفظوں میں اخلاقِ رذیلہ کہہ سکتے ہیں اعتدال پر لاوے تا وہ اعتدال پا کر اخلاقِ فاضلہ کے رنگ میں جاں لیں مگر یہ دونوں طریقے دراصل ایک ہی ہیں کیونکہ طبعی حالتوں کی اصلاح کے متعلق ہیں صرف اعلیٰ اور ادنیٰ درجہ کے فرق نے انکو دو قسم بنا دیا ہے

انسان کی تدریجی ترقی

اور اس حکیم مطلق نے اخلاق کے نظام کو ایسے طور سے پیش کیا ہے کہ جس سے انسان ادنیٰ خلقت سے اعلیٰ تک ترقی کر سکے۔

اور پھر تیسرا مرحلہ ترقیات کا یہ رکھا ہے کہ انسان اپنے خالق حقیقی کی محبت اور رضا میں محو ہو جائے اور سب وجود اس کا خدا کے لیے ہو جائے یہ وہ مرتبہ ہے جس کو یاد دلانے کے لیے مسلمانوں کے دین کا نام اسلام رکھا گیا ہے کیونکہ اسلام اس بات کو کہتے ہیں کہ بکلی خدا کے لیے ہو جانا اور اپنا کچھ باقی نہ رکھنا جیسا کہ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے۔ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهًا لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ اَجْرٌ کَ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَکُمْ عَلَیْہُمْ وَلَا هُمْ یُجْزَوْنَ ؕ قُلْ اِنْ صَلَوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَنَحْبَیْ وَ مَمَآتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ بِذٰلِکَ اُھْرُتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ؕ وَاِنَّ هٰذَا لِاصْرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا ؕ فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ ؕ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّکُمْ اللّٰہُ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ؕ ترجمہ۔ یعنی نجات یافتہ وہ شخص ہے جو اپنے وجود کو خدا کے لیے اور خدا کی راہ میں قربانی کی طرح رکھ دے اور نہ صرف نیت سے بلکہ نیک کاموں سے اپنے صدق کو دکھلا دے جو شخص ایسا کرے اس کا بدلہ خدا کے نزدیک مقرر ہو چکا اور ایسے لوگوں پر کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرناسا خدا کے لیے ہے جسکی ربوبیت تمام چیزوں پر محیط ہے کوئی چیز اور کوئی شخص اس کا شریک نہیں اور مخلوق کو کسی قسم کی شراکت اس کے ساتھ نہیں مجھے ہی حکم

ہے کہ میں ایسا کروں اور اسلام کے مفہوم پر قائم ہونے والا یعنی خدا کی راہ میں اپنے وجود کی قربانی دینے والا سب سے اول میں ہوں۔ یہ میری راہ ہے سو آؤ میری راہ اختیار کرو اور اس کے مخالفت کوئی راہ اختیار نہ کرو کہ خدا سے دُور جا پڑو گے ان کو کہہ رکے کہ اگر خدا سے پیار کرتے ہو تو آؤ میرے پیچھے ہو لو اور میری راہ پر چلو تا خدا بھی تم سے پیار کرے اور تمھارے گناہ بخشے اور وہ تو بخشندہ اور رحیم ہے :

اب ہم انسان کے ان تین مرحلوں کا جدا جدا بیان کرینگے لیکن ادل یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ طبعی حالتیں جن کا سرچشمہ اور مبدیہ نفس امارہ ہے خدا نے تعالیٰ کے پاک کلام کے اشارات کے موافق اخلاقی حالتوں سے کوئی الگ چیز نہیں ہے کیونکہ خدا کے پاک کلام نے تمام پھیل توئی اور جسمانی خواہشوں اور تقاضوں کو طبعی حالات کی مد میں رکھا ہے اور وہی طبعی حالتیں ہیں جو بالا راہ تہذیب اور تعدیل اور موقع بینی اور محل پر استعمال کرنے کے بعد اخلاق کا رنگ پکڑ لیتی ہیں ایسا ہی اخلاقی حالتیں روحانی حالتوں سے کوئی الگ باتیں نہیں ہیں بلکہ وہی اخلاقی حالتیں ہیں جو پورے فانی اللہ اور تزکیہ نفس اور پورے انقطاع الی اللہ اور پوری محبت اور پوری محبت اور پوری سکینت اور اطمینان اور پوری موافقت باللہ سے روحانیت کا رنگ پکڑ لیتی ہیں طبعی حالتیں جب تک اخلاقی رنگ میں نہیں کسی طرح انسان کو قابل تعریف نہیں بناتیں کیونکہ وہ دوسرے حیوانات بلکہ جمادات میں بھی پائی جاتی ہیں ایسا ہی مجرد اخلاق کا حاصل کرنا بھی انسان کو روحانی زندگی نہیں بخشتا بلکہ ایک شخص خدا نے تعالیٰ کے وجود سے بھی منکر کر کے اچھے اخلاق دکھلا سکتا ہے دل کا غریب ہونا یا دل کا حلیم ہونا یا صلح کار ہونا

طبعی حالتوں اور اخلاقیات میں باہر والا امتیاز

یا ترک شکر کرنا اور شریعہ کے مقابلہ پر نہ آنا یہ تمام طبعی حالتیں ہیں اور ایسی ہی ہیں
 ہیں ہر ایک ناپااہل کو بھی حاصل ہو سکتی ہیں جو اصل سرچشمہ نجات سے بے نصیب
 اور نا آشنا محض ہے اور بہت سے چار پائے غریب بھی ہوتے ہیں اور
 ملتے اور خرید پر ہونے سے صالح کاری بھی دکھلاتے ہیں سوٹے پر ٹوٹ مارنے
 سے کوئی مقابلہ نہیں کرتے مگر پھر بھی انکو انسان نہیں کہہ سکتے چہ جائیکہ
 ان خصلتوں سے وہ اعلیٰ درجہ کے انسان بن سکیں۔ ایسا ہی ہر سے بد
 عقیدہ والا بلکہ بعض بد کاریوں کا مرتکب ان باتوں کا پابند ہو سکتا ہے
 ممکن ہے کہ انسان رحم میں اس حد تک پہنچ جائے کہ اگر اس کے اپنے ہی رحم
 میں کیڑے، پڑیں انکو کبھی قتل کرنا روانہ رکھے اور جانداروں کی پاسداری
 اس قدر کرے کہ جوئیں جو سر میں پڑتی ہیں یا وہ کیڑے جو پیٹ اور انتڑیوں
 میں اور دماغ میں پیدا ہوتے ہیں انکو بھی آزار دینا نہ چاہے بلکہ میں
 قبول کر سکتا ہوں کہ کسی کا رحم اس حد تک پہنچے کہ وہ شہد کھانا ترک کر دے
 کیونکہ وہ بہت سی جانوں کے تلف ہونے اور غریب مکھیوں کو انکے استحقاق
 سے پراندرہ کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور میں مانتا ہوں کہ کوئی مشک
 سے بھی پرہیز کرے کیونکہ وہ غریب ہرن کا خون ہے اور اس غریب کو قتل
 کرنے اور بچوں سے جدا کرنے کے بعد میسر آ سکتا ہے ایسا ہی مجھے
 اس سے بھی انکار نہیں کہ کوئی موتیوں کے استعمال کو بھی چھوڑ دے اور
 بریشم کو پہننا بھی ترک کرے کیونکہ یہ دونوں غریب کیڑوں کے ہلاک کرنے
 سے ملتے ہیں بلکہ میں یہاں تک مانتا ہوں کہ کوئی شخص دکھ کے وقت جو کون
 کے لگانے سے بھی پرہیز کرے اور آپ دکھ اٹھالے اور غریب جو ک
 کی موت کا خواہاں نہ ہو۔ بالآخر اگر کوئی مانے یا مانے مگر میں مانتا ہوں کہ کوئی

شخص اس قدر رحم کو کمال کے نقطہ تک پہنچاؤںے کہ پانی پینا چھوڑ دے اور اس طرح پانی کے کپڑوں کے بچانے کے بیٹے اپنے تئیں ہلاک کرے میں یہ سب کچھ قبول کرتا ہوں لیکن میں ہرگز قبول نہیں کر سکتا کہ یہ طبیعی حالتیں اخلاق کما سکتی ہیں۔ یا صرف انہی سے وہ اندرونی گند دھوئے جا سکتے ہیں جن کا وجود خدا کے ملنے کی روک ہے۔ میں کبھی باور نہیں کروں گا کہ اس طرح کا غریب اور بے آزار بننا جس میں بعض چار پائیوں اور پرندوں کا کچھ نمبر بڑھا ہوا ہے اعلیٰ انسانیت کے حصول کا موجب ہو سکتا ہے بلکہ میرے نزدیک یہ قانون قدرت سے لڑائی ہے اور رضا کے بھاری خلق کے برخلاف اور اس نعمت کو رد کرنا ہے جو قدرت نے ہم کو عطا کی ہے بلکہ وہ روحانیت ہر ایک خلق کو محل اور موقعہ پر استعمال کر لیکے بعد پھر خدا کی راہوں میں وفاداری کے ساتھ قدم مارنے سے اور اسی کا ہو جانے سے ملتی ہے جو اس کا ہو جاتا ہے اس کی یہی نشانی ہے کہ وہ اس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا۔ عارف ایک مچھلی ہے جو خدا کے ہاتھ سے خارج کی گئی اور اس کا پانی خدا کی محبت ہے ۛ

اب میں پہلے کلام کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ میں ابھی ذکر کر چکا ہوں کہ انسانی حالتوں کے سرچشمے تین ہیں یعنی نفس امارہ۔ نفس لوامہ نفس مطمئنہ۔ اور طریق اصلاح کے بھی تین ہیں۔ اول یہ کہ بے تمیز و خشیوں کو اس ادنیٰ خلق پر قائم کیا جائے کہ وہ کھانے پینے اور شاوی وغیرہ تمدنی امور میں انسانیت کے طریقے پر چلیں نہ ننگے پھر یں اور نہ نکتوں کی طرح مردار خوار ہوں اور نہ کوئی اور بے تمیزی ظاہر کریں یہ طبعی حالتوں کی اصلاح میں سے ادنیٰ درجہ کی اصلاح ہے۔ یہ اس قسم کی ہے کہ اگر مثلاً پورٹ بلیئر

اصلاح کے تین طریق

فرش نہایت مصفا شیشوں سے کیا گیا ہے اور پھر ان شیشوں کے نیچے پانی چھوڑا گیا ہے جو نہایت تیزی سے چل رہا ہے۔ اب ہر ایک نظر جو شیشوں پر پڑتی ہے وہ اپنی غلطی سے ان شیشوں کو بھی پانی سمجھ لیتی ہے اور پھر انسان ان شیشوں پر چلنے سے ایسا ڈرتا ہے جیسا کہ پانی سے ڈرنا چاہیئے حالانکہ وہ درحقیقت شیشے ہیں مگر صاف شفاف سو یہ بڑے بڑے اجرام جو نظر آتے ہیں جیسے آفتاب و ماہتاب وغیرہ یہ وہی صاف شیشے ہیں جن کی غلطی سے پریش کی گئی اور ان کے نیچے ایک اعلیٰ طاقت کام کر رہی ہے جو ان شیشوں کے پردہ میں پانی کی طرح بڑی تیزی سے چل رہی ہے اور مخلوق پرستوں کی نظر کی یہ غلطی ہے کہ انہی شیشوں کی طرف کام کو منسوب کرے یہ ہیں جو ان کے نیچے طاقت دکھلا رہی ہے یہی تفسیر اس آیت کریمہ کی ہے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہ تم تمہارا خدا صرف خدا ہے۔ غرض چونکہ خدائے تعالیٰ کی ذات باوجود نہایت روشن ہونے کے پھر بھی نہایت مخفی ہوتی ہے اس لیے اسکی شناخت کے لیے صرف یہ نظام جسمانی جو ہماری فطروں کے سامنے ہے کافی نہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ ایسے نظام پر مدار رکھنے والے باوجود یکہ اس ترتیب البالغ اور حکم کو جو صد ہا عجائبات پر مشتمل ہے نہایت غور کی نظر سے دیکھتے رہے بلکہ بیہوش اور طبعی اور فلسفہ میں وہ ہمارے پیارا کیوں کہ گویا زمین و آسمان کے اندر دھس گئے مگر پھر بھی شکوک اور شبہات کی تاریکی سے نجات نہ پاسکے اور اکثر ان میں طرح طرح کی خطاؤں میں مبتلا ہو گئے اور یہود وہ ادہام میں پڑ کر کہیں کے کہیں چلے گئے اور اگر انکو اس صانع کے وجود کی طرف کچھ خیال بھی آیا تو بس اسقدر کہ اعلیٰ اور عمدہ نظام کو دیکھ کر یہ انکے دل میں پڑا کہ اس عظیم الشان سلسلہ کا جو پر حکمت نظام اپنے ساتھ رکھتا ہے کوئی پیدا کرنے والا ضرور چاہیئے مگر ظاہر ہے کہ یہ خیال ناتمام اور یہ معرفت ناقص ہے کیونکہ یہ کہنا کہ اس سلسلہ کیلئے ایک خدا کی ضرورت ہے اس دوسرے کلام سے ہرگز مساوی نہیں کہ وہ خدا درحقیقت ہے۔

غرض یہ ابھی صرف قیاسی معرفت تھی جو دلوں میں انان اور سکیست نہیں بخش سکتی اور نہ شکوک کو بکلی دہرے اٹھا سکتی ہے اور نہ یہ ایسا پیالہ ہے جس سے وہ پیام معرفت تامل کی بچھ سکے جو انسان کی فطرت کو لگائی گئی ہے بلکہ ایسی معرفت ناقصہ نہایت پرخطر ہوتی ہے کیونکہ بہت شور ڈالنے کے بعد پھر آخر تیج اور نتیجہ نادر ہے۔ غرض جتنا کہ خود خدا نے تعالیٰ اپنے موجود ہونیکو اپنے کلام سے ظاہر نہ کرے جیسا کہ اس نے اپنے کام سے ظاہر کیا تب تک صرف کام کا ملاحظہ تسلی بخش نہیں ہے مثلاً اگر ہم ایک ایسی کوٹھڑی کو دیکھیں جس میں یہ بات عجیب ہو کہ اندر سے کنڈیاں لگائی گئی ہیں تو اس فعل سے ہم ضرور اول یہ خیال کریں گے کہ کوئی انسان اندر ہے جس نے اندر سے زنجیر کو لگایا ہے کیونکہ باہر سے اندر کی زنجیروں کو لگانا غیر ممکن ہے لیکن جب ایک مدت تک بلکہ برسوں تک باوجود بار بار آواز دینے کے اس انسان کی طرف سے کوئی آواز نہ آوے تو آخر یہ رائے ہماری کہ کوئی اندر ہے بدل جائے گی اور یہ خیال کرینگے کہ اندر کوئی نہیں بلکہ کسی حکمت عملی سے اندر کی کنڈیاں لگائی گئی ہیں یہی حال ان فلاسفوں کا ہے جنہوں نے صرف فعل کے مشاہدہ پر اپنی معرفت کو ختم کر دیا ہے یہ بڑی غلطی ہے جو خدا کو ایک مردہ کی طرح سمجھا جا چکا ہے نہ کہ انصاف انسان کا کام ہے۔ اگر خدا ایسا ہے جو صرف انسانی کوشش نے اس کا پتہ لگایا ہے تو ایسے خدا کی نسبت ہماری سب امیدیں عبث ہیں بلکہ خدا تو وہی ہے جو ہمیشہ سے اور قدیم سے آپ ان الموجود کہ مکر لوگوں کو اپنی طرف بلاتا رہا ہے یہ بڑی گستاخی ہوگی کہ ہم ایسا خیال کریں کہ اسکی معرفت میں انسان کا احسان پس ہے اور اگر فلاسفہ ہوتے تو گویا وہ کم کا کم ہی رہتا اور یہ کہنا کہ خدا کیونکر بول سکتا ہو کیا اس کی زبان ہے یہ بھی ایک بڑی مبہم کی ہے کیا اس نے جسمانی ہاتھوں کے بغیر تمام آسمانی اجرام اور زمین کو نہیں بنایا کیا وہ جسمانی آنکھوں کے بغیر تمام دنیا کو نہیں دیکھتا کیا وہ جسمانی کانوں کے بغیر ہماری آوازیں نہیں سنتا۔ پس کیا یہ ضروری تھا

کہ اسی طرح وہ کلام بھی کرے یہ بات بھی ہرگز صحیح نہیں ہے کہ خدا کا کلام کرنا آگے نہیں بلکہ
 پیچھے رہ گیا ہے۔ ہم اسکے کلام اور مخاطبات پر کسی زمانہ تک مہر نہیں لگاتے بے شک وہ
 اب بھی ڈھونڈنے والوں کو الہامی چشمہ سے مالا مال کر نیکو طیار ہے جیسا کہ پہلے تھا
 اور اب بھی اسکے فیضان کے ایسے دروازے کھلے ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔ ہاں ضرورتاً
 کے ختم ہونے پر شریعتیں اور حدود ختم ہو گئیں اور تمام رسالتیں اور نبوتیں اپنی آخری
 نقطہ پر آکر جو ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تھا کمال کو پہنچ گئیں۔ اس آخری
 نور کا عریضہ ظاہر ہوا بھی خالی حکمت سے نہ تھا جو اس بنی اسماعیل کی قوم تھی جو اسرائیل
 سے منقطع ہو کر حکمت آئی سے بیابان فاران میں ڈال دی گئی تھی اور فاران کے معنی
 ہیں دو فرار کر نیوالے یعنی بھاگنے والے۔ پس جبکہ حضرت ابراہیم نے بنی اسرائیل
 علیحدہ کر دیا تھا انکا تورات کی شریعت میں کچھ حصہ نہیں رہا تھا جیسا کہ لکھا ہے
 کہ وہ اسحق کے ساتھ حصہ نہیں پائیں گے۔ پس تعلق والوں نے انہیں چھوڑ دیا
 اور کسی دوسرے سے انکا تعلق اور رشتہ نہ تھا دوسرے تمام ملکوں میں کچھ کچھ
 رسوم عبادات اور احکام کی پائی جاتی تھیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ کسی وقت انہ
 نبیوں کی تعلیم پہنچی تھی۔ مگر صرف عرب کا ملک ہی ایک ایسا ملک تھا جو ان تعلیموں
 محض ناواقف تھا اور تمام جہان سے پیچھے رہا ہوا تھا اس لئے آخر میں اسکی نبوت
 آئی اور اسکی نبوت عام ٹھہری تا تمام ملکوں کو دوبارہ برکات کا حصہ دیوے اور جو غلطی
 پڑ گئی تھی اسکو بحال دے پس ایسی کامل کتاب کے بعد کس کتاب کا انتظار کریں
 سارا کام انسانی اصلاح کا پانے ہاتھ میں لے لیا اور پہلی کتابوں کی طرح صرف ایک
 قوم سے واسطہ نہیں رکھا بلکہ تمام قوموں کی اصلاح چاہی اور انسانی تربیت کے تمام
 مراتب بیان فرمائے وحشیوں کو انسانیت کے آداب سکھائے پھر انسانی صورت
 بنانے کے بعد اخلاق فاضلہ کا سبق دیا۔ یہ قرآن نے ہی دنیا پر احسان کیا کہ طبعی

حالتوں اور اخلاق فاضلہ میں فرق کر کے دکھلایا اور جب طبعی حالتوں سے نکال کر اخلاق فاضلہ کے محل عالی تک پہنچایا تو فقط اسی پر کفایت نہ کی بلکہ اور مرحلہ جو باقی تھا یعنی روحانی حالتوں کا مقام اس تک پہنچنے کے لیے پاک معرفت کے دروازہ کھول دیئے اور نہ صرف کھول دیئے بلکہ لاکھوں انسانوں کو اُس تک پہنچا بھی دیا۔ اور اعلیٰ پر تینوں قسم کی تعلیم جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کمال خوبی سے بیان فرمائی۔ پس چونکہ وہ تمام تعلیموں کا جزیر دینی تربیت کی ضرورتوں کا مدار ہے کامل طور پر جامع ہے اس لیے چوٹی اس نے کیا کہ میں نبی دائرہ دینی تعلیم کو کمال تک پہنچایا جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَلَمْ لَمْ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ سَاضِيَّتْ لَكُمْ اَلَا سَلَامٌ دِيْنًا یعنی آج میں نے دین تمہارا کمال کیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا اور میں تمہارا دین اسلام تمہارے خوش ہوا یعنی پکی تہائی مرتبہ وہ امر ہے جو اسلام کے مفہوم میں پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ محض خدا کے لیے ہو جانا اور اپنی نجات اپنے وجود کی قربانی سے چاہنا نہ اور طریق سے اور اس نیت اور اس ارادہ کو عملی طور پر دکھلانا یہ نقطہ وہ ہے جس پر تمام کمالات ختم ہوتے ہیں جس خدا کو کلیہوں نے شناخت نہ کیا۔ قرآن نے اُس سے خدا کا پتہ بتایا قرآن نے خدا کی معرفت عطا کر نیکیے لیے دو طریق رکھے ہیں۔ اوّل وہ طریق جس کی رو سے انسانی عقل عقلی دلائل پیدا کرنے میں بہت قوی اور روشن ہو جاتی ہے اور انسان غلطی کرنے سے بچ جاتا ہے۔ دوسرا روحانی طریق جس کو ہم تیسرے سوال کے جواب میں عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ بیان کرینگے۔ اب دیکھو کہ عقلی طور پر قرآن شریف نے خدا کی ہستی پر کیا کیا عمدہ اور بے مثل دلائل دیئے ہیں جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے رَبَّنَا الَّذِيْ اَعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ حَلْقًا ثُمَّ هَدٰی یٰسِنٰی خَدَاوہ خدا ہے کہ جس نے ہر ایک شے کے مناسب حال اس کو پیدا کرنا بخشی پھر اس شے کو اپنے کمالات مطلوبہ حاصل کرتے کے لیے راہ دکھلا دی اب اگر اس آیت کے

مفہوم پر نظر رکھ کر انسان سے بیکہ تمام بھری اور بری جانوروں اور پرندوں کی بناوٹ تک دیکھا جائے تو خدا کی قدرت یاد آتی ہے کہ ہر ایک چیز کی بناوٹ اس کے مناسب حال معلوم ہوتی ہے پڑھنے والے خود سوچ لیں کیونکہ یہ مضمون بہت وسیع ہے :
 دوسری دلیل خدا سے تعالیٰ کی ہستی پر قرآن شریف نے خدا سے تعالیٰ کا علیہ العمل ہونا قرار دیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے **وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ** یعنی تمام سلسلہ علل و معلولات کا تیرا رب پر ختم ہو جاتا ہے تفصیل اس دلیل کی یہ ہے کہ نظر تعمق سے معلوم ہو گا کہ یہ تمام موجودات علل و معلول کے سلسلہ سے مربوط ہے اسی وجہ سے دنیا میں طبع طرح کے علوم پیدا ہو گئے ہیں کیونکہ کوئی حصہ مخلوقات کا نظام سے باہر نہیں بعض بعض کے بیٹے بطور اصول اور بعض بطور فرع کے ہیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ علت یا تو خود اپنی ذات سے قائم ہوگی یا اس کا وجود کسی دوسری علت کے وجود پر منحصر ہوگا اور پھر یہ دوسری علت کسی اور علت پر و علیٰ ہذا النقیاس اور یہ تو جائز نہیں کہ اس محدود دنیا میں علل و معلول کا سلسلہ کہیں جا کر ختم نہ ہو اور غیر متناہی ہو تو بالضرورت ماننا پڑے کہ یہ سلسلہ ضرور کسی اخیر علت پر جا کر ختم ہو جاتا ہے پس جب اس تمام سلسلہ کی انتہا ہے وہی خدا ہے انکہ کھول کر دیکھ لو کہ آیت **وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ** اپنے مختصر لفظوں میں کطرح اس دلیل مذکورہ بالا کو بیان فرما رہی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ انتہا تمام سلسلہ کی تیرے رب تک ہے :

پھر ایک اور دلیل اپنی ہستی پر یہ دی جیسا کہ فرماتا ہے **لَا الشَّمْسُ بِمَبْعُوثٍ لِّهَا**
أَنْ تَنْدَارَكَ الْقَمَرَ وَلَا الْكَلْبُ مَسَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَاكِ يَكْسِبُونَ
 یعنی آفتاب چاند کو نہیں پکڑ سکتا اور نہ رات جو مظہر مانتاب ہے دن پر جو مظہر آفتاب ہے کچھ تسلط کر سکتی ہے یعنی کوئی ان میں سے اپنی حدود مقررہ سے باہر نہیں جاتا اگر انکا درپردہ کوئی مدبر نہ ہو تو یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائے یہ دلیل ہیئت پر غور

بیان فرماتا ہے جو انکی فطرت میں اُس نے رکھی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی مریض
فطرۃ کی رو سے خدائے تعالیٰ کا انکار نہیں کر سکتی صرف منکروں کو اپنے خیال میں لیل
نہ مٹنے کی وجہ سے انکار ہے مگر باوجود اس انکار کے وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ
ہر ایک حادثہ کے واسطے ضرور ایک محدث ہے دنیا میں ایسا کوئی نادان نہیں کہ
اگر شلّا بدن میں کوئی بیماری ظاہر ہو تو وہ اس بات پر اصرار کرے کہ وہ پردہ اس
بیماری کے ظہور کی کوئی علت نہیں اگر یہ سلسلہ دنیا کا علل اور معلول سے مربوط
نہ ہوتا تو قبل از وقت یہ بتا دینا کہ فلاں تاریخ طوفان آئے گا یا آندھی آئیگی یا
خسوف ہوگا یا کسوف ہوگا یا فلاں وقت بیمار ہو جائیگا یا فلاں وقت تک ایک
بیماری کے ساتھ فلاں بیماری لاحق ہو جائیگی یہ تمام غیر ممکن ہو جائیں پس ایسا
محقق اگرچہ خدا کے وجود کا اقرار نہیں کرتا مگر ایک طور سے تو اُس نے اقرار کر ہی
دیا کہ وہ بھی ہماری طرح معلومات کے بیٹے علل کی تلاش میں ہے یہ بھی ایک قسم کا
اقرار ہے اگرچہ کمال اقرار نہیں ماسوا اس کے اگر کسی ترکیب سے ایک منکر
وجود باری کو ایسے طور سے یہوش کیا جائے کہ وہ اس سفلی زندگی کے خیالات
سے بالکل الگ ہو کر ادر تمام ارادوں سے معطل رہ کر اعلیٰ ہستی کے قبضہ میں
ہو جائے تو وہ اس صورت میں خدا کے وجود کا اقرار کریگا انکار نہیں کرے گا
جیسا کہ سپر بڑے بڑے مجرمین کا تجربہ شاہد ہے سو ایسی حالت کی طرف اس
آیت میں اشارہ ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ انکار وجود باری صرف سفلی زندگی
تک ہے ورنہ اصل فطرت میں اقرار بھرا ہوا ہے :

یہ دلائل وجود باری پر ہیں جو ہم نے بطور نمونہ کے لکھ دیئے بعد اس کے
یہ بھی جاننا چاہیے کہ جس خدا کی طرف ہمیں قرآن شریف نے بلایا ہے اسکی اس نے
یہ صفات لکھی ہیں۔ ھُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ ھُوَ عَلِیْمٌ الْغُیْبِ

وَالشَّهَادَةُ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ مَا لَكَ يَوْمَ الدِّينِ هِ الْمَلِكُ
 اَلْقُدُّ وَهُوَ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُتَّقِينَ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ
 هُوَ اللهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ اَلْاَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ
 لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
 قَدِيرٌ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ مَلِكُ يَوْمَ الدِّينِ
 اُجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَاكَ اَخِي الْقَيُّومُ هِ قُلْ هُوَ اللهُ
 اَحَدٌ اللهُ الصَّمَدُ كَمْ يَلِدْ وَكَمْ يُولَدْ وَكَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ
 یعنی وہ خدا جو واحد لاشریک ہے جس کے سوا کوئی بھی پرستش اور فرمانبرداری کے
 لائق نہیں یہ اس لئے فرمایا کہ اگر وہ لاشریک نہ ہو تو شاید اُسکی طاقت پر دشمن کی
 طاقت غالب آجائے اس صورت میں خدائی معرض خطرہ میں رہیگی اور یہ جو فرمایا کہ
 اُس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ ایسا کامل
 خدا ہے جسکی صفات اور خوبیاں اور کمالات ایسے اعلیٰ اور بلند ہیں کہ اگر موجودات میں
 سے بوجہ صفات کاملہ کے ایک خدا انتخاب کرنا چاہیں یا دل میں عمدہ سے عمدہ اور
 اعلیٰ سے اعلیٰ خدا کی صفات فرض کریں تو سب سے اعلیٰ جس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ
 نہیں ہو سکتا وہی خدا ہے جسکی پرستش میں ادنیٰ کو شریک کرنا ظلم ہے پھر فرمایا کہ
 عالم الغیب ہے یعنی اپنی ذات کو آپ ہی جانتا ہے اُس کی ذات پر کوئی احاطہ نہیں
 کر سکتا۔ ہم آفتاب اور ماہتاب اور ہر ایک مخلوق کا سراپا دیکھ سکتے ہیں مگر خدا کا
 سراپا دیکھنے سے قاصر ہیں پھر فرمایا کہ وہ عالم الشہادۃ ہے یعنی کوئی چیز اُسکی نظر
 سے پردہ میں نہیں ہے یہ جائز نہیں کہ وہ خدا کہلا کر پھر علم اشیاء سے غافل ہو
 وہ اس عالم کے ذرہ ذرہ پر اپنی نظر رکھتا ہے لیکن انسان نہیں رکھ سکتا وہ جاننا
 ہے کہ کب اس نظام کو توڑ دینگا اور قیامت برپا کر دے گا اور اسکے سوا کوئی نہیں جانتا

کے جنگلی آدمیوں میں سے کسی آدمی کو انسانیت کے لوازم سکھانا ہو تو پہلے ادنیٰ ادنیٰ اخلاق انسانیت اور طریق ادب کی انکو تعلیم دیجائیگی۔ دوسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جب کوئی ظاہری آداب انسانیت کے حاصل کر لے تو اس کو بڑے بڑے اخلاق انسانیت کے سکھائے جائیں اور انسانی قوتوں میں جو کچھ بھرا پڑا ہے ان سب کو محل اور موقع پر استعمال کرنے کی تعلیم دیجائیگی۔ تیسرا طریق اصلاح کا یہ ہے کہ جو لوگ اخلاق فاضلہ سے متصف ہو گئے ہیں ایسے خشک زاہدوں کو شریعت محبت اور وصل کا مزہ چکھا یا اجائے تین اصحاب میں جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں :

اور ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں مبعوث ہوئے تھے جبکہ دنیا پر ایک پہلو سے خراب اور تباہ ہو چکی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ یعنی جنگل بھی بگڑ گئے اور دریا بھی بگڑ گئے۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو اہل کتاب کہلاتے ہیں وہ بھی بگڑ گئے اور جو دوسرے لوگ ہیں جن کو الہام کا پانی نہیں ملا وہ بھی بگڑ گئے ہیں۔ پس قرآن شریف کا کام دراصل مردوں کو زندہ کرنا تھا جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِذْ عَلِمْنَا اَنْتَ اللّٰهُ يٰحْيِیُّ الْاَمْرَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِنَا یعنی یہ بات جان لو کہ اب اللہ تعالیٰ نے سرے سے زمین کو بعد اس کے مرنے کے زندہ کرنے لگا ہے۔ اس زمانہ میں عرب کا حال نہایت درجہ کی وحشیانہ حالت تک پہنچا ہوا تھا اور کوئی نظام انسانیت کا باقی نہیں رہا تھا اور تمام معاصی انکی نظر میں فخر کی جگہ تھے ایک ایک شخص صلیبیوں کی ریت تھا۔ حرام کا کھانا انکے نزدیک ایک نیکار تھا ماؤں کے ساتھ نکاح کرنا حلال سمجھتے تھے اسی واسطے اللہ تعالیٰ کو کہنا پڑا۔ سَمِیْرَ مَمْتٌ عَلَیْکُمْ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصلاح کی کامل عزت کی وقت مبعوث ہوئے

اَصْهَاتُكُمُ ۖ یعنی آج مائیں تمھاری تم پر حرام ہو گئیں۔ ایسا ہی وہ مرد ارکھاتے تھے۔ آدم خور بھی تھے۔ دنیا کا کوئی بھی گناہ نہیں جو نہیں کرتے تھے۔ اکثر معاد کے منکر تھے۔ بہت سے انہیں سے خدا کے وجود کے بھی قائل نہ تھے لڑکیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرتے تھے یتیموں کو ملا کر کے انکا مال کھاتے تھے۔ بظاہر تو انسان تھے۔ مگر عقلمیں سلوب نہیں۔ نہ جانتھی نہ شرم تھی نہ غیرت تھی۔ شراب کو پانی کی طرح پیتے تھے جبکا زنا کاری میں اول نمبر ہوتا تھا وہی قوم کا رئیس کہلاتا تھا۔ بے علمی اس قدر تھی کہ ارد گرد کی تمام قوموں نے انکا نام امی رکھ دیا تھا ایسے وقت میں اور ایسی قوموں کی اصلاح کے لیے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہر گمہ میں ظور فرما ہوئے۔ پس وہ تین قسم کی اصلاحیں جن کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں انکا در حقیقت ہی زمانہ تھا۔ پس اسی وجہ سے قرآن شریف دنیا کی تمام ہدایتوں کی نسبت اکمل اور اتم ہو گیا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ دنیا کی اور کتابوں کو ان تین قسم کی اصلاحوں کا موقع نہیں ملا اور قرآن شریف کو ملا اور قرآن شریف کا یہ مقصد تھا کہ حیوانوں سے انسان بناوے اور انسان سے با اخلاق انسان بناوے اور با اخلاق انسان سے با خدا انسان بناوے اسی واسطے ان تین امور پر قرآن شریف مشتمل ہے ۛ

اور قبل اس کے جو ہم اصلاحات ثلاثہ کا مفصل بیان کریں یہ ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف میں کوئی ایسی تعلیم نہیں جو زبردستی ماننی پڑے بلکہ تمام قرآن کا مقصد صرف اصلاحات ثلاثہ ہیں اور اس کی تمام تعلیموں کا لب لباب یہی تین احلا ہیں اور باقی تمام احکام اصلاحوں کے لیے بطور وسائل کے ہیں اور جس طرح بعض وقت ڈاکٹر کو بھی صحت کے پیدا کر نیکی لکھ

قرآن شریف کا اصل مقصد اصلاحات ثلاثہ ہیں

کبھی چیرنے کبھی مہم لگانے کی ضرورت پڑتی ہے ایسا ہی قرآنی تعلیم نے بھی انسانی ہمدردی کے لیے ان لوازم کو اپنے محل پر استعمال کیا ہے اور اس کے تمام معارف یعنی گیان کی باتیں اور وصایا اور وسائل کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو انکی طبعی حالتوں سے جو دشمنانہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہیں اخلاقی حالتوں تک پہنچائے اور پھر اخلاقی حالتوں سے روحانیت کے ناپید کنار دریا تک پہنچائے اور پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ طبعی حالات اخلاقی حالات سے کچھ الگ چیز نہیں بلکہ وہی حالات ہیں جو تعدیل اور موقع اور محل پر استعمال کرنے سے اور عقل کی تجویز اور مشورہ سے کام میں لائیں سے اخلاقی حالات کا رنگ پکڑ لیتے ہیں اور قبل اس کے کہ وہ عقل اور معرفت کی صلاح اور مشورہ سے صادر ہوں گو وہ کیسے ہی اخلاق سے مشابہ ہوں درحقیقت اخلاق نہیں ہوتے بلکہ طبیعت کی ایک بے اختیار رفتار ہوتی ہے جیسا کہ اگر ایک کتے یا ایک بکری سے اپنے مالک کے ساتھ محبت اور انکسار ظاہر ہو تو اس کتے کو خلیق نہیں کہیں گے اور نہ اس بکری کا نام مذہب الاخلاق رکھیں گے اسی طرح ہم ایک بھیڑیے یا شیر کو انکی درندگی کی وجہ سے باخلاق نہیں کہیں بلکہ جیسا کہ ذکر کیا گیا اخلاقی حالت محل اور سوچ اور وقت شناسی کے بعد شروع ہوتی ہے اور ایک ایسا انسان جو عقل و تدبیر سے کام نہیں لیتا وہ ان شیرخوار بچوں کی طرح ہے جن کے دل اور دماغ پر ہنوز قوت عقلمیہ کا سایہ نہیں پڑا۔ بان دیوانوں کی طرح جو ہر عقل اور دانش کو کھو بیٹھتے ہیں ظاہر ہے کہ جو شخص بچہ شیرخوار اور دیوانہ ہو وہ ایسی حرکات بعض اوقات ظاہر کرتا ہے کہ جو اخلاق کے ساتھ مشابہ ہوتی ہیں۔ مگر کوئی عقلمند انکا نام اخلاق نہیں رکھ سکتا کیونکہ وہ حرکتیں تمیز اور موقع بینی کے چشمے سے نہیں نکلتیں

طبعی حالتیں تعدیل سے اخلاق بناتی ہیں

بلکہ وہ طبعی طور پر تحریکوں کے پیش آنیکے وقت صادر ہوتی جاتی ہیں جیسا کہ انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتیوں کی طرف متوجہ کرتا ہے اور ایک مرغ کا بچہ پیدا ہوتے ہی دانہ چلنے کے لیے دوڑتا ہے جو کہ بچہ جو کہ کی عادتیں اپنے اندر رکھتا ہے اور سانپ کا بچہ سانپ کی عادتیں ظاہر کرتا ہے اور شیر کا بچہ شیر کی عادتیں دکھلاتا ہے۔ بالخصوص انسان کے بچہ کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ وہ کیسے پیدا ہوتے ہیں انسانی عادتیں دکھلانا شروع کر دیتا ہے اور پھر جب برس ڈیڑھ برس کا ہوا تو وہ عادات طبعیہ بہت نمایاں ہو جاتی ہیں۔ مثلاً پہلے جس طور سے رونا تھا اب رونا بہ نسبت پہلے کے کسی قدر بلند ہو جاتا ہے ایسا ہی ہنسنے کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور آنکھوں میں بھی عموماً دیکھنے کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں اور اس عمر میں یہ ایک اور امر طبعی پیدا ہو جاتا ہے کہ اپنی رضامندی یا نارضامندی حرکات سے ظاہر کرتا ہے اور کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے مگر یہ تمام حرکات دراصل طبعی ہوتی ہیں۔ پس ایسے بچہ کی مانند ایک وحشی آدمی بھی ہے جس کو انسانی تمیز سے بہت ہی کم حصہ ملا ہے وہ بھی اپنے ہر ایک قول اور فعل اور حرکت اور سکون میں طبعی حرکات ہی دکھلاتا ہے اور اپنی طبیعت کے جذبات کا تابع رہتا ہے۔ کوئی بات اس کے اندر دنی قوی کے تدبیر اور تفکر سے نہیں نکلتی۔ بلکہ جو کچھ طبعی طور پر اس کے اندر پیدا ہوا ہے وہ خارجی تحریکوں کے مناسب حال نکلتا چلا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس کے طبعی جذبات جو اسکے اندر کسی تحریک سے باہر آتے ہیں وہ سب سب بُرے نہ ہوں بلکہ بعض انکے نیک اخلاق سے مشابہ ہوں۔ لیکن عاقلانہ تدبیر اور موثر نگاہی کو ان میں دخل نہیں ہوتا اور اگر کسی قدر ہو بھی تو وہ جو غلبہ جذبات طبعی قابل اعتبار نہیں ہوتا بلکہ جس طرف کثرت ہے اسی طرف کو

معتبر سمجھا جائیگا۔

غرض ایسے شخص کی طرف حقیقی اخلاق منسوب نہیں کر سکتے جن پر جذباتِ طبعیہ حیوانوں اور بچوں اور دیوانوں کی طرح غالب ہیں اور جو اپنی زندگی کو قریب قریب وحشیوں کے بسر کرتا ہے بلکہ حقیقی طور پر نیک یا بد اخلاق کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے کہ جب انسان کی عقل خدا داد پختہ ہو کر اسکے ذریعہ سے نیکی اور بدی یا دودبیوں یا دونیکیوں کے درجہ میں فرق کر سکے پھر اچھے راہ کے ترک کر نیسے اپنے دل میں ایک حسرت پاوے اور بُرے کام کے ارتکاب سے اپنے تئیں متندّم اور پشیمان دیکھے۔ یہ انسان کی زندگی کا دوسرا زمانہ ہے جس کو خدا کے پاک کلام قرآن شریف میں نفسِ لوامہ کے نام سے تعبیر کیا ہے مگر یاد رہے کہ ایک وحشی کو نفسِ لوامہ کی حالت تک پہنچانے کے لیے صرف سرسری نصائح کافی نہیں ہوتیں بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کو خدا شناسی کا اس قدر حصہ ملے جس سے وہ اپنی پیدائش بیہودہ اور لغو خیال نہ کرے تا معرفتِ الہی سے سچے اخلاق اس میں پیدا ہوں ایسی چیز خدا نے تعالیٰ نے ساتھ ساتھ سچے خدا کی معرفت کے لیے توجہ دلائی ہے اور یقین دلایا ہے کہ ہر ایک عمل اور خلق ایک نتیجہ رکھتا ہے جو اس کی زندگی میں روحانی راحت یا روحانی عذاب کا موجب ہوتا ہے اور دوسری زندگی میں گھلے گھلے طور پر اپنا اثر دکھائیگا۔ غرض نفسِ لوامہ کے درجہ پر انسان کو عقل اور معرفت اور پاک کائنات سے اس قدر حصہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ بُرے کام پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے اور نیک کام کا خواہشمند اور حریص رہتا ہے۔ یہ وہی درجہ ہے کہ جس میں انسان اخلاقِ فاضلہ حاصل کرتا ہے۔

اس جگہ بہتر ہوگا کہ میں خلق کے لفظ کی بھی کیس قدر تعریف کر دوں۔ سو

جاننا چاہیے کہ خلقِ خدا کی فتح سے ظاہری پیدائش کا نام ہے اور خلقِ خدا کے
ضمیمہ سے باطنی پیدائش کا نام ہے اور چونکہ باطنی پیدائش اخلاق سے ہی
کمال کو پہنچتی ہے نہ صرف طبعی جذبات سے اس لیے اخلاق پر ہی یہ لفظ
بولا گیا ہے طبعی جذبات پر نہیں بولا گیا۔ اور پھر یہ بات بھی بیان کر دینے کے
لائق ہے کہ جیسا کہ عوام الناس خیال کرتے ہیں کہ خلق صرف جسمانی اور مادی
اور انکسار ہی کا نام ہے۔ انکی غلطی ہے بلکہ جو کچھ بمقابلہ ظاہری اعضا کے
باطن میں انسانی کمالات کی کیفیتیں رکھی گئی ہیں ان سب کیفیتوں کا نام
خلق ہے مثلاً انسان آنکھ سے دیکھتا ہے اور اس کے مقابل پردہ میں ایک
قوتِ رقت ہے وہ جب بذریعہ عقل خدا داد کے اپنے محل پر مستعمل ہو تو وہ
ایک خلق ہے۔ ایسا ہی انسان ہاتھوں سے دھسن کا مقابلہ کرتا ہے اور اس
حرکت کے مقابل پردہ میں ایک قوت ہے جس کو شجاعت کہتے ہیں۔ جب
انسان محل پر اور موقع کے لحاظ سے اس قوت کو استعمال میں لاتا ہے تو
اس کا نام بھی خلق ہے اور ایسا ہی انسان کبھی ہاتھوں کے ذریعہ مظلوموں
کو ظالموں سے بچانا چاہتا ہے یا ناداروں اور بھوکوں کو کچھ دینا چاہتا ہے
یا کسی اور طرح سے نئی نوع کی خدمت کرنا چاہتا ہے اور اس حرکت کے
مقابل پردہ میں ایک قوت ہے جس کو رحم بولتے ہیں اور کبھی انسان اپنے
ہاتھوں کے ذریعہ سے ظالم کو سزا دیتا ہے اور اس حرکت کے مقابل پردہ
میں ایک قوت ہے جس کو عفو اور صبر کہتے ہیں اور کبھی انسان بنی نوع کو فائدہ
پہنچانے کے لیے اپنے ہاتھوں سے کام لیتا ہے یا پیروں سے یا دل اور
دماغ سے اور انکی بہبودی کے لیے اپنا سرمایہ خرچ کرتا ہے تو اس حرکت
کے مقابل پردہ میں ایک قوت ہے جس کو سخاوت کہتے ہیں۔ پس جب

۳ انتقام کہتے ہیں۔ اور کبھی انسان اپنے مقابلہ کے لئے ہتھیار نکالتا اور ظالم

انسان ان تمام قوتوں کو موقع اور محل کے لحاظ سے استعمال کرتا ہے تو اس کو
 ان کا نام خلق رکھا جاتا ہے۔ اللہ جل شانہ ہمارے رب ہی علی اللہ علیہ وسلم کو جناب طیبہ
 کر کے فرماتا ہے اِنَّكَ لَكُلِّ خَلْقٍ عَصِيْبٌ۔ یعنی تو ایک بزرگ خلق ہے
 قائم ہے سو اسی تشریح کے مطابق اس کے معنی ہیں یعنی یہ کہ تمام قوتیں
 اخلاق کی سخاوت، شجاعت، عدل، رحم، احسان، صدق، حوصلہ وغیرہ
 سمجھ میں جمع ہیں۔ غرض جس قدر انسان کے دل میں قوتیں پائی جاتی ہیں یا کہ
 ادب، حیا، دیانت، مروت، غیرت، استقامت، عفت، زہادت، اعتدال
 مواصلات یعنی ہمدردی، ایسا ہی شجاعت، سخاوت، عفو، صبر، احسان
 صدق، وفا وغیرہ جب یہ تمام طبعی حالتیں عقل اور تدبیر کے مشورہ سے
 اپنے اپنے محل اور موقع پر ظاہر کی جائیں گی تو سب کا نام اخلاق ہوگا اور
 یہ تمام اخلاق درحقیقت انسان کی طبعی حالتیں اور طبعی جذبات ہیں اور
 صرف اس وقت اخلاق کے نام سے موسوم ہوتے ہیں کہ جب محل اور موقع
 کے لحاظ سے بالارادہ انکو استعمال کیا جائے چونکہ انسان کے طبعی اس
 میں سے ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ ترقی پذیر جاندار ہے۔ اس لیے وہ
 سچے مذہب کی پیروی اور نیک صحبتوں اور نیک تعلیموں سے ایسی
 طبعی جذبات کو اخلاق کے رنگ میں لے آتا ہے اور یہ امر کسی اور جاندار
 کے لیے نصیب نہیں ہے۔

اصلاح اول یعنی طبعی حالتیں

اب ہم منجملہ قرآن شریف کی اصلاحات ثلاثہ کے پہلی اصلاح کو جو ادنیٰ
 درجہ کی طبعی حالتوں کے متعلق ہے ذکر کرتے ہیں اور یہ اصلاح اخلاق کے
 شعبوں میں سے وہ شعبہ ہے جو ادنیٰ کے نام سے موسوم ہے یعنی وہ ادب جسکی

پابندی وحشیوں کو انکی طبعی حالتوں کھانے پینے اور شادی کرنے وغیرہ
 تہذیبی امور میں مرکز اعتدال پر لاتی ہے اور اس زندگی سے نجات بخشی ہو کر
 جو وحشیانہ اور چوپاؤں یا درندوں کی طرح ہو جیسا کہ ان تمام آداب کے بارے
 میں اللہ جل شانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ حَرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اَمْثَلِ
 وَبَنَاتِكُمْ وَاَخْوَانَكُمْ وَرَحْلَتَكُمْ وَبَنَاتِ الْاَخْرِ وَبَنَاتِ
 الْاُخْتِ وَاَمْهَاتُكُمُ الَّتِي اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوَاتُكُمُ مِنَ الرَّحْمَةِ
 وَاَمْهَاتُ نِسَائِكُمْ وَاَبَاءُكُمْ الَّتِي فِي حَجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ
 الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جَنَاحَ
 عَلَیْكُمْ وَحَلَائِلُ اَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوا
 بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ وَلَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرْتُوا النِّسَاءَ
 كُنْهًا وَلَا تَنْكَحُوا مَا نَكَحَ اَبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ
 اِحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَاُحْصِنَتْ مِنَ الْمَوْءُؤَاتِ
 وَاُحْصِنَتْ مِنَ الذِّیْنِ اَوْ تَوَالَیْکُمْ مِنْ قَبْلُكُمْ اِذَا اَتَيْتُمُوهُنَّ
 اُجُورُهُنَّ مُحْصِنِیْنَ... غَیْرُ مُسَافِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْ اَخْدَانٍ
 وَلَا تَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا اَوْلَادَكُمْ لَا تَدْخُلُوا بُیُوتًا
 غَیْرِ بُیُوتِكُمْ حَتّٰی تَسْتَأْذِنُوْا وَتَسَلِّمُوْا عَلٰی اَهْلِهَا فَاِنْ لَمْ
 تَجِدُوْا فِیْهَا اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِیلَ
 لَكُمْ اِسْرَجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَذْکٰی لَكُمْ وَاَتُوا الْبُیُوتَ مِنْ
 اَبْوَابِهَا وَاِذَا حِیِّتُمْ بِخَبَیْةٍ فَاَوْسَدِیْ اَوْسَدُ وَاِهَابَا
 اِنَّمَا النُّجْمُ وَالْبَیْسُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ
 الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُوْنَ حَرِّمَتْ عَلَیْكُمْ

... اس مقام پر ہیں اور بھی انسان کے لئے یہ حکم نہ نہیں چاہتا اور ظالم

الْمَيْسَةِ وَالْذَّمَّ وَتَحْمُ الْخِزْيِ وَمَا أَهَلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ الْخَنْفَةَ
 وَالْمَوْ قُوذًا وَالْمُتَرَدِّيَّةَ وَالنَّطِيجَةَ وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ
 وَمَا ذَرَعَ عَلَى النَّصْبِ يَسْتَأْذِنُكَ مَاذَا أَحَلَّ لَهُمْ قُلْ أَحَلَّ
 لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَإِذَا رَقِيتُمْ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَانْقُضُوا
 وَإِذَا رَقِيتُمْ أَنْشُرُوا فَأَنْشُرُوا وَأَسْكُوا وَأَشْرَبُوا وَلَا تَسْرِقُوا
 قَوْلُوا قَوْلًا سَدِيدًا ذُنُوبًا فَطَهَّرُوا الشَّجَرَةَ فَاهْجُرُوا غَضَضُوا
 مِنْ صَوْتِكَ وَأَقْصِدْ فِي مَشْيِكَ تَرَدُّوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ
 التَّقْوَىٰ وَانْكُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَافِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ
 لِلنِّسَاءِ وَالْهَرَمِ وَمَنْ إِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانْكُرُوا
 مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَّةَ وَشَرَابًا وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا
 تُعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا
 تَعُولُوا وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ مَغْلُولَةً - یعنی تم پر
 تمھاری مائیں حرام کی گئیں اور ایسا ہی تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں
 اور تمھاری بھوپھیاں اور تمھاری خالائیں اور تمھاری بھینجیاں اور تمھاری
 بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنہوں نے تمھیں دودھ پلایا اور تمھاری خالائیں
 بہنیں اور تمھاری بیویوں کی مائیں اور تمھاری بیویوں کے پہلے خاوند سے
 لڑکیاں جن سے تم ہم صحبت ہو چکے ہو اور اگر تم ان سے ہم صحبت نہیں ہو
 تو کوئی گناہ نہیں اور تمھارے حقیقی بیٹوں کی عورتیں اور ایسے ہی دو بہنیں ایک
 وقت میں یہ سب کام جو پہلے ہوتے تھے۔ آج تم پر حرام کیے گئے۔ یہ بھی تمھارے
 لیے جائز نہ ہوگا کہ جبراً عورتوں کے وارث بن جاؤ۔ یہ بھی جائز نہیں کہ تم ان
 عورتوں کو نکاح میں لاؤ جو تمھارے باپوں کی بیویاں تھیں۔ جو پہلے ہو چکا ہو

ہو چکا پاکذا من عورتیں تم میں سے یا پہلے اس کتاب میں سے تمہارے بیٹے حلال
ہیں کہ ان سے شادی کرو لیکن جب ہر قرار پاکہ نکاح ہو جائے ہر کاری جائز
نہیں اور نہ چھپا ہوا یا رانہ۔ عرب کے جاہلوں میں جس شخص کے اولاد نہ
ہو تو تھی بعض میں یہ رسم تھی کہ انکی بیوی اولاد کے لیے دوسرے سے
آشنائی کرتی۔ قرآن شریف نے اس صورت کو حرام کر دیا۔ مسافحت اسی
برسم کا نام ہے۔ پھر فرمایا کہ تم خود کشی نہ کرو۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اور
دوسرے گھروں میں وحشیوں کی طرح خود بخود بے اجازت نہ چلے جاؤ۔
اجازت لینا شرط ہے اور جب تم دوسرے کے گھروں میں جاؤ تو دخل
ہونے اسلام علیکم کہو اور اگر ان گھروں میں کوئی نہ ہو تو جب تک کوئی مالک
خانہ تمہیں اجازت نہ دے ان گھروں میں مت جاؤ اور اگر مالک خانہ یہ کہے
کہ واپس چلے جاؤ تو تم واپس چلے جاؤ۔ اور گھروں میں دیواروں پر سے
کو ذکر نہ جایا کرو۔ بلکہ گھروں میں ان گھروں کے دروازہ میں سے جاؤ
اور اگر کوئی تمہیں سلام کہے تو اس سے ہنتر اور نیک ترا سکوسلام کہو
اور قمار بازی اور بت پرستی اور شگون لینا یہ سب پلید اور شیطانی کام
ہیں ان سے بچو۔ مردار مت کھاؤ۔ خنزیر کا گوشت مت کھاؤ۔ بتوں کے چڑھاؤ
مت کھاؤ۔ لاشیں سے مارا ہوا مت کھاؤ۔ سینگ لگنے سے مر ا ہوا مت
کھاؤ۔ درندہ کا پھاڑا ہوا مت کھاؤ۔ بت پر چڑھایا ہوا مت کھاؤ
کیونکہ یہ سب مردار کا حکم رکھتے ہیں اور اگر یہ لوگ پوچھیں کہ پھر کھائیں کیا
تو جواب یہ دے کہ دنیا کی تمام پاک چیزیں کھاؤ صرف مردار اور مردار
کے مشابہ اور پلید چیزیں مت کھاؤ۔ اگر مجلسوں میں تمہیں کہا جائے کہ
کشا دہ ہو کر بیٹھو یعنی دوسروں کو جگہ دو تو جلد جگہ کشا دہ کرو تا دوسرے

تمام سب سے ہیں۔ اور بھی انسان جانور کے مقابلہ پر حاکم نہیں چاہتا اور ظالم

بیٹھیں اور اگر کہا جائے کہ تم اٹھ جاؤ تو پھر بغیر چون و چرا کے اٹھ جاؤ۔ گوشت دال وغیرہ سب چیزیں جو پاک ہوں بے شک کھاؤ مگر ایک طرف کی کثرت مت کرو اور اسراف اور زیادہ خوری سے اپنے تئیں بچاؤ۔ لہذا تین مت کیا کرو محل اور موقع کی بات کیا کرو۔ اپنے کپڑے صاف رکھو۔ بدن کو اور گھر کو اور کوچہ کو اور ہر ایک جگہ کو جہاں تمھاری نشست ہو پلیدی اور سیرنگل اور کثافت سے بچاؤ یعنی غسل کرتے رہو۔ اور گھروں کو صاف رکھنے کی عادت پکڑو۔ نہ بہت اونچا بولا کرو نہ بہت نیچا درمیان کو نگاہ رکھو یعنی باستثناء وقت ضرورت کے چلنے میں بھی نہ بہت تیز چلو اور نہ بہت آہستہ درمیان کو نگاہ رکھو۔ جب سفر کرو تو ہر ایک طور پر سفر کا انتظام کر لیا کرو اور کافی زادہ لے لیا کرو۔ تاگد اگر سی سے بچو۔ جنابت کی حالت میں غسل کر لیا کرو جب روٹی کھاؤ تو سائل کو بھی دو اور کتے کو بھی ڈال دیا کرو اور دوسرے پرندہ وغیرہ کو بھی اگر موقع ہو۔ یتیم لڑکیاں جن کی تم پرورش کرو ان سے نکاح کرنا مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر تم دیکھو کہ چونکہ وہ لاوارث ہیں شاید تمھارا نفس ان پر زیادتی کرے تو ماں باپ اور اقارب والی عورتیں کرو جو تمھاری مؤدب رہیں اور انکا تمھیں خوف رہے ایک دو تین چار تک کر سکتے ہو بشرطیکہ اعتدال کرو اور اگر اعتدال نہ ہو تو پھر ایک ہی پرکفایت کرو۔ گو ضرورت پیش آدے چار کی حد لگا دی گئی ہے۔ وہ اس مصلحت سے ہے کہ تا تم پرانی عادت کے تقاضے سے افراط نہ کرو۔ یعنی صد ہا نوبت نہ پھینچاؤ۔ یا یہ کہ حرامکاری کی طرف جھک نہ جاؤ۔ اور اپنی عورتوں کو مہر دو۔ غرض یہ قرآن شریف کی پہلی اصلاح ہے جس میں انسان کی طبعی حالتوں کو وحشیانہ طریقوں سے کھینچ کر انسانیت کے لوازم و تنہات

کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اس تعلیم میں ابھی اعلیٰ اخلاق کا کچھ ذکر نہیں
صرف انسانیت کے آداب ہیں اور ہم لکھ چکے ہیں کہ اس تعلیم کی یہ ضرورت
پیش آئی تھی کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم کی اصلاح کیلئے
آئے تھے وہ وحشیانہ حالت میں سب قوموں سے بڑھی ہوئی تھی کسی پہلو
میں انسانیت کا طریقی انہیں قائم نہیں رہا تھا پس ضرور تھا کہ سب سے پہلے
انسانیت کے نظام ہی ادب ان کو سکھلائے جاتے ہوں۔

ایک نکتہ اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ نکتہ یہ ہے کہ خنزیر
جو حرام کیا گیا ہے خدا نے ابتدا سے اس کے نام میں ہی حرمت کی طرف اشارہ
کیا ہے کیونکہ خنزیر کا لفظ خنز اور آر سے مرکب ہے جس کے یہ معنی
ہیں کہ میں اس کو فاسد اور خراب دیکھتا ہوں خنز کے معنی بہت فاسد
آز کے معنی دیکھتا ہوں۔ پس اس جانور کا نام جو ابتدا سے خدا تعالیٰ
کی طرف سے اس کو ملا ہے وہی اس کی پلیدی پر دلالت کرتا ہے اور عجیب
اتفاق یہ ہے کہ ہندی میں اس جانور کو شوئر کہتے ہیں یہ لفظ بھی سو اور
آر سے مرکب ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ میں اس کو بہت بُرا دیکھتا ہوں
اور اس سے تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ سو کا لفظ عربی کیونکر ہو سکتا ہے۔
کیونکہ ہم نے اپنی کتاب صمدی الرحمن میں ثابت کیا ہے کہ تمام زبانوں
کی ماں عربی زبان ہے اور عربی کے لفظ ہر ایک زبان میں نہ ایک دو بلکہ
ہزاروں ملے ہوئے ہیں سو سو عربی لفظ ہے اس لیے ہندی میں
سو کا ترجمہ بد ہے پس اس جانور کو بد بھی کہتے ہیں۔ اس میں کچھ بھی
شک معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ تمام دنیا کی زبان عربی تھی
اس ملک میں یہ نام اس جانور کا عربی میں مشہور تھا جو خنزیر کے نام کے

ازمنہ خنزیر

۴ اس نام سے ہیں اور بھی اس نام سے مہاراجہ کوکرناس میں پائا جاتا اور عام

ہم معنی ہے پھر اب تک یادگار باقی رہ گیا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ شاستری میں اس کے قریب قریب ہی لفظ متخیر ہو کر اور کچھ بن گیا ہو مگر صحیح لفظی ہی ہے کیونکہ اپنی وجہ تسمیہ ساتھ رکھتا ہے جس پر لفظ خنزیر کو اہ ناطق ہے اور یہ معنی جو اس لفظ کے میں یعنی بہت فاسد اس کی تشریح کی حاجت نہیں۔ اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور اور نیز بے بغیرت اور دیوتہ ہے۔ اب اسکے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون قدرت ہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بھی بدن اور روح پر پلید ہی ہو کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ غذاؤں کا بھی انسان کی روح پر ضرور اثر ہے پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی پڑے گا جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر کی ہے اس جانور کا گوشت بالخاصیت حیا کی قوت کو کم کرتا ہے اور دیوتہ کو بڑھاتا ہے اور مردار کا کھانا بھی اسی لئے اس شریعت میں منع ہے کہ مردار بھی کھانیوالے کو اپنے رنگ میں لانا ہے اور نیز ظاہری صحت کے لئے بھی مضر ہے اور جن جانوروں کا خون اندر ہی رہتا ہے جیسے گلا گھونٹا ہوا۔ یا لاشی سے مارا۔ یہ تمام جانور درحقیقت مردار کے حکم میں ہی ہیں۔ کیا مردہ کا خون اندر پہنچنے سے اپنی حالت پر رہ سکتا ہے؟ نہیں بلکہ وہ بوجہ مرطوب ہونیکے بہت جلد گندہ ہوگا اور اپنی عفونت سے تمام گوشت کو خراب کرے گا۔ اور نیز خون کے کیرے جو حال کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوئے ہیں مکرر ایک ہزار تک عفونت بدن میں پھیلا دیں گے۔

انسان کی اخلاقی حالتیں

دوسرا حصہ قرآنی اصلاح کا یہ ہے کہ طبعی حالتوں کو شرائط مناسبت کے ساتھ مشروط کر کے اخلاق فاضلہ تک پہنچایا جائے سو واضح ہو کہ یہ حصہ بہت بڑا ہے

اگر ہم اس حصہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں یعنی تمام وہ اخلاق اسبجا لکھنا چاہیں جو قرآن شریف نے بیان کیے تو یہ مضمون استہرلہا ہو جائیگا کہ وقت اس کے سدھیا حصہ تک کو بھی کفایت نہیں کرے گا اس لیے چند اخلاق فاضلہ نمونے کے طور پر بیان کیے جاتے ہیں :

اب جاننا چاہیے کہ اخلاق دو قسم کے ہیں اول وہ اخلاق جن کے ذریعہ سے انسان ترک شر پر قادر ہوتا ہے۔ دوسرے وہ اخلاق جن کے ذریعہ سے انسان ایصال خیر پر قادر ہوتا ہے۔ اور ترک شر کے مفہوم میں وہ اخلاق داخل ہیں جن کو ذریعہ انسان کوشش کرتا ہے کہ تا اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنی آنکھ یا اپنے کسی عضو سے دوسرے کے مال یا عزت یا جان کو نقصان نہ پہنچا دے یا نقصان رسانی اور کسر شان کا ارادہ نہ کرے اور ایصال خیر کے مفہوم میں تمام وہ اخلاق داخل ہیں جن کو ذریعہ انسان کوشش کرتا ہے کہ اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنے علم یا کسی اور ذریعہ سے دوسرے کے مال یا عزت کو فائدہ پہنچا سکے یا اس کے جلال یا عزت ظاہر کرنے کا ارادہ کر سکے یا اگر کسی نے اس پر کوئی ظلم کیا تھا تو جس سزا کا وہ ظالم مستحق تھا اس سے درگزر کر سکے اور اس طرح اس کو دکھ اور عذاب بدنی اور نادان مالی سے محفوظ رہنے کا فائدہ پہنچا سکے یا اس کو ایسی سزا دے سکے جو حقیقت میں اس کو لیٹے سر اسرحت ہے۔ اب واضح ہو کہ وہ اخلاق جو ترک شر کے لیئے صانع حقیقی نے مقرر فرمائے ہیں وہ زبان عربی میں جو تمام انسانی خیالات اور ادضاع اور اخلاق کے لہار کے لیئے ایک ایک مفرد لفظ اپنے اندر رکھتی ہے چار ناموں سے موسوم ہیں۔ چنانچہ پہلا خلق احتصان کے نام سے موسوم ہے اور اس لفظ سے مراد خاص وہ پاکدامنی جو عورت کو کما جائز ہوگا جو حر اکرامی یا اس کے مقدمات سے بختہ نہ رہے اور اس پاک

اخلاق متعلیٰ برکت

تم اصرار سے کہیں۔ اور یہی اس طرح سے تھا کہ وہ علم و ادب خاص اور عام علم

بدکاری سے اپنے تئیں روکے۔ جسکا بیجہ دونوں کے لیے اس عالم میں دولت اور لعنت اور دوسرے جہان میں عذاب آخرت اور متعلقین کے لیے علاوہ ہے۔ اور وہی نقصان شدید ہے۔ مثلاً جو شخص کسی کی بیوی سے ناجائز حرکت کا مرتکب ہو یا مثلاً زنا تو نہیں مگر اس کے مقدمات مرد اور عورت دونوں سے گلوں میں آویں تو کچھ شک نہیں کہ اس غیر متحمل مظلوم کی ایسی بیوی کو جو زنا کرنے پر راضی ہوئی تھی یا زنا بھی واقع ہو چکا تھا طلاق دینی پڑے گی اور بچوں پر بھی اگر اس عورت کے پیٹ سے ہونگے بڑا فرقہ پڑے گا اور مالک خانہ یہ تمام نقصان اس بد ذات کی وجہ سے اٹھائے گا۔

اسیجگہ یاد رہے کہ یہ خلق جس کا نام احسان یا عفت ہے یعنی پاکدامنی ایسی حالتیں خلق کہلائے گا جبکہ ایسا شخص جو بد نظری یا بدکاری کی استعداد اپنے اندر رکھتا ہے یعنی قدرت نے وہ قوی اسکو دے رکھے ہیں جن کے ذریعہ اس جرم کا ارتکاب ہو سکتا ہے اس فعل شنیع سے اپنے تئیں بچائے۔ اور اگر باعث کچھ ہونے یا نام نہ ہونے یا جو ہوئے یا پیر فرقت ہونے کے یہ قوت اس میں موجود نہ ہو تو اس صورت میں ہم اسکو اس خلق سے جسکا نام احسان یا عفت ہے موصوف نہیں کر سکتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عفت اور احسان کی اس میں ایک طبعی حالت ہے مگر ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ طبعی حالتیں خلق کے نام سے موسوم نہیں ہو سکتیں بلکہ اسوقت خلق کی حد میں دخل کی جائیں گی جبکہ عقل کے زیر سایہ ہو کر اپنے محل پر صادر ہوں یا صادر ہونے کی قابلیت پیدا کر لیں۔ لہذا جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں بچے اور نام وادریسے لوگ جو کسی تدبیر سے اپنے تئیں نام وادریس اس خلق کا مصداق نہیں ٹھہر سکتے گو بظاہر عفت اور احسان کے رنگ میں اپنی زندگی بسر کریں بلکہ تمام صورتوں میں انکی عفت اور احسان کا نام طبعی حالت ہو گا نہ اور کچھ۔ اور چونکہ یہ ناپاک حرکت اور اس کے مقدمات جیسے مرد کو صادر ہو سکتے ہیں ویسے ہی عورت سے بھی صادر ہو سکتے ہیں لہذا خدا کی

طرفہ جمع کریں اور اس سے دعا کریں تا جھوکرے بچاؤ سے اور فخر نشوں سے بچاتا
 دے، زمانہ کے قریب مدت جاؤ یعنی ایسی تقریبوں سے دور رہو جن سے یہ خیال بھی
 دل میں پیدا ہو سکتا ہو اور ان راہوں کو اختیار نہ کرو جن سے اس گناہ کے
 وقوع کا اندیشہ ہو جو زنا کرتا ہے وہ بدی کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے۔ زنا کی راہ
 بہت بُری راہ ہے یعنی منزل مقصود سے روکتی ہے اور تمھاری آخری منزل
 کے لیے سخت خطرناک ہے اور جس کو نکاح میسر نہ آوے چاہیے کہ وہ اپنی سخت
 کو دوسرے طریقوں سے بچاؤ۔ مثلاً روزہ رکھے یا کم کھا دے یا اپنی طاقتوں سے
 تن آزار کام لے اور اور لوگوں سے یہ بھی طریق نکالے ہیں کہ وہ ہمیشہ عہد نکاح سے
 دست بردار رہیں یا جو بچے نہیں اور کسی طریق سے رہبانیت اختیار کریں مگر ہم نے
 انسان پر یہ حکم فرض نہیں کیئے اس لیے وہ ان بدعتوں کو پورے طور پر نباہ نہ
 سکے۔ خدا کا یہ فرمانا کہ ہمارا یہ حکم نہیں کہ لوگ جو بچے نہیں۔ یہ اس بات کی طرف
 اشارہ ہے کہ اگر خدا کا حکم ہوتا تو سب لوگ اس حکم پر عمل کر نیکی مجاز بنتے تو اس
 صورت میں بنی آدم کی قطع نسل ہو کر کبھی کا دنیا کا خاتمہ ہو جاتا اور نیز اگر اٹل چر پر
 عفت حاصل کرنی ہو کہ عضو مردی کو کاٹ دیں تو یہ درپردہ اس صانع پر اعتراض
 ہے جس نے وہ عضو بنایا اور نیز جبکہ ثواب کا تمام مدار اس بات پر ہے کہ ایک
 قوت موجود ہو اور پھر انسان خدائے تعالیٰ کا خوف کرے اس قوت کے خراب
 جذبات کا مقابلہ کرتا رہے اور اس کے منافع سے فائدہ اٹھا کر دو طور کا ثواب حاصل
 کرے۔ پس ظاہر ہے کہ ایسے عضو کے ضائع کر دینے میں دونوں ثوابوں سے محروم
 رہا۔ ثواب تو جذبہ مخالفانہ کے وجود اور پھر اس کے مقابلہ سے ملتا ہے مگر جس
 میں بچہ کی طرح وہ قوت ہی نہیں رہی اس کو کیا ثواب ملے گا۔ کیا بچہ کو اپنی عفت کا
 ثواب مل سکتا ہے؟

نکاح میں نہ ہونے کے لیے پانچ علل

ان آیات میں خدائے تعالیٰ نے خلق احسان یعنی عفت کے حاصل کرنے کے لیے صرف اعلیٰ تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ انسان کو پاکدامن رہنے کے لیے پانچ علل بھی بتلا دیئے ہیں یعنی یہ کہ اپنی آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا۔ کانوں کو نامحرموں کی آواز سننے سے بچانا۔ نامحرموں کے قصے نہ سننا۔ اور اپنی تمام تقریبات سے جنہیں اس فعل کا اندیشہ ہو اپنے تئیں بچانا۔ اگر نکاح نہ ہو تو روزہ رکھنا وغیرہ۔ اس جگہ ہم بڑے دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ اعلیٰ تعلیم ان سب تہذیبوں کے ساتھ جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں صرف اسلام سے ہی خاص ہے۔ اور اس جگہ ایک نکتہ یاد رکھو کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ انسان کی وہ طبعی حالت جو شہوات کا منبع ہے جس سے انسان بغیر کسی کامل تغیر کے الگ نہیں ہو سکتا یہی ہے کہ اس کے جذبات شہوت محل اور موقع پاکر جوش مارنے سے روک نہیں سکتے۔ یا یوں کہو کہ سخت خطرہ میں پڑ جاتے ہیں اس لیے خدائے تعالیٰ نے ہمیں یہ تعلیم نہیں دی کہ ہم نامحرم عورتوں کو بلا تکلف دیکھ کر لیا کریں اور ان کی تمام زینتوں پر نظر ڈالیں اور ان کے تمام انداز ناچنا وغیرہ مشاہدہ کر لیں لیکن پاک نظر سے دیکھیں اور نہ یہ تعلیم ہمیں دی ہے کہ ہم ان بیگانہ جوان عورتوں کا گانا بجانا سن لیں اور ان کے حسن کے قصبے بھی سنا کریں۔ لیکن پاک خیال سے سنیں بلکہ ہمیں تاکید ہے کہ ہم نامحرم عورتوں کو اور ان کی زینت کی جگہ کو ہرگز نہ دیکھیں۔ نہ پاک نظر سے اور نہ ناپاک نظر سے اور انکی خوش الحانی کی آوازیں اور ان کے حسن کے قصبے نہ سنیں نہ پاک خیال سے اور نہ ناپاک خیال سے بلکہ ہمیں چاہیے کہ ان کے سننے اور دیکھنے سے نفرت رکھیں جیسا کہ مردار سے تاٹھو کر نہ کھاویں کیونکہ ضرور ہے کہ بے قیدی کی نظروں سے کسی وقت ٹھوکر یں پیش آویں۔ سو چونکہ خدائے تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہماری آنکھیں اور دل اور ہمارے خطرات سب پاک رہیں اس لیے اس نے یہ

نکاح میں نہ ہونے کے لیے پانچ علل

اعلیٰ درجہ کی تعلیم فرمائی اس میں کیا شک ہے کہ بے قیدری ٹھوکر کا موچہ جاتی ہے اگر ہم ایک بھوکے گتے کے آگے نرم نرم روٹیاں رکھیں اور پھر امیدیں کہ اس گتے کے دل میں خیال تک ان روٹیوں کا نہ آوے تو ہم اپنے اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ سو خدا نے تعالیٰ نے چاہا کہ نفسانی قوی کو پوشیدہ کاروائیوں کا موقع بھی نہ ملے اور ایسی کوئی بھی تقریب پیش نہ آوے جس سے بدخبرات جنبش کر سکیں۔

اسلامی پردہ کی یہی فلاسفی اور یہی ہدایت شرعی ہے۔ خدا کی کتاب میں پردہ سے یہ مراد نہیں کہ فقط عورتوں کو قیدیوں کی طرح حراست میں رکھا جائے یہ ان نادانوں کا خیال ہے جن کو اسلامی طریقوں کی خبر نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ عورت مرد و عورتوں کو آزاد نظر اندازی اور اپنی زمینوں کے دکھانے سے روکا جائے کیونکہ اس میں دونوں مرد اور عورت کی بھلائی ہے بالآخر یاد ہے کہ خوابیدہ نگاہ سے غیر محمل پر نظر ڈالنے سے اپنے تئیں سچا لینا۔ اور دوسری جانب النظر چیز و نہ کو دیکھنا اس طریق کو عربی میں غصص بصر کہتے ہیں اور ہر ایک پر ہیز گار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اسکو نہیں چاہیے کہ حیوانوں کی طرح جھپٹ چاہے بے محابا نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرے۔ بلکہ اس کے لئے اس تمدنی زندگی میں غصص بصر کی عادت ڈالنا ضروری ہے اور یہ وہ مبارک عادت ہے جس سے اسکی طبعی حالت ایک بھاری مخلوق کے رنگ میں آجائیگی اور اس کی تمدنی ضرورت میں بھی فرق نہیں پڑیگا۔ یہی وہ خلق ہے جس کو احسان اور عنفت کہتے ہیں۔

دوسری قسم ترک شر کے اقسام میں سے وہ خلق ہے جسکو امانت و دیانت کہتے ہیں یعنی دوسرے کے مال پر نذرارت اور بدعتی سے قبضہ کر کے اسکو ایذا پہنچانے پر راضی نہ ہونا۔ سو واضح ہو کہ دیانت اور امانت انسان کی طبعی حالتوں میں سے ایک

حالت ہے اسی واسطے ایک بچہ شیر خوار بھی جو بوجہ کم سننی اپنی طبعی سادگی پر ہوتا ہے اور نیز باعث صغر سننی ابھی بڑی عادتوں کا عادی نہیں ہوتا۔ اس قدر بچہ کی چیز سے نفرت رکھتا ہے کہ غیر عورت کا دودھ بھی مشکل سے پیتا ہے اور اگر بیہوشی کے زمانہ میں کوئی اور دایہ مقرر نہ ہو تو ہوش کے زمانہ میں اسکو دوسرے کا دودھ پلانا نہایت مشکل ہو جاتا ہے اور اپنی جان پر بہت تکلیف اٹھاتا ہے اور ممکن ہے کہ اس تکلیف سے مرنے کے قریب ہو جائے مگر دوسری عورت کے دودھ سے طبعاً بیزار ہوتا ہے اس قدر نفرت کا کیا بھید ہے؟ بس یہی کہ وہ والدہ کو چھوڑ کر غیر کی چیز کی طرف رجوع کرنے سے طبعاً متنفر ہے۔ اب ہم جب ایک گہری نظر سے بچہ کی اس عادت کو دیکھتے اور اس پر غور کرتے ہیں اور فکر کرتے کرتے اسکی اس عادت کی تہ تک چلے جاتے ہیں تو ہم پر صاف کھل جاتا ہے کہ یہ عادت جو غیر کی چیز سے اس قدر نفرت کرتا کہ اپنے اوپر مصیبت ڈال لیتا ہے یہی جڑھ دیانت اور امانت کی ہے اور دیانت کے خلق میں کوئی شخص راست باز نہیں ٹھہر سکتا جب تک بچہ کی طرح غیر کے مال کے بارے میں بھی سچی نفرت اور کراہت اسکے دل میں پیدا نہ ہو جائے۔ لیکن بچہ اس عادت کو اپنے محل پر استعمال نہیں کرتا اور اپنی فطرتی کے سبب سے بہت کچھ تکلیفیں اٹھالیتا ہے لہذا اسکی یہ عادت صرف ایک حالت طبعی ہے جس کو وہ بے اختیار ظاہر کرتا ہے اس لیے وہ حرکت اس کے خلق میں داخل نہیں ہو سکتی گو انسانی سرشت میں اصل جڑھ خلق دیانت اور امانت کی وہی ہے جیسا کہ بچہ اس غیر معقول حرکت سے متدین اور امین نہیں کہلا سکتا۔ ایسا ہی وہ شخص بھی اس خلق سے منصف نہیں ہو سکتا جو اس طبعی حالت کو محل پر استعمال نہیں کرتا امین اور دیانت دار بننا بہت نازک امر ہے جب تک انسان تمام پہلو بجا نہ لاوے امین اور دیانت دار نہیں ہو سکتا۔ اسی میں اللہ تعالیٰ

نے نمونہ کے طور پر آیات مفصلہ ذیل میں امانت کا طریق سمجھایا ہے اور وہ طریق
 امانت یہ ہے۔ وَلَا تَوَلَّوْا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ
 لَكُمْ قِيَامًا وَدَارًا رَزَقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا
 مَعْرُوفًا وَابْتَلُوا الَّتِي تَمَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ
 مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا
 إِسْرَافًا وَكَثْرًا وَإِنْ يَكْذِبُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعِظْ
 وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ
 أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا وَلْيَحْشَ
 الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَفًا فَأَخَاؤُهُمْ
 فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا اقْوَا سَيِّدًا إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ
 أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَ
 سَيَصْلُونَ سَعِيرًا۔ ترجمہ۔ یعنی اگر کوئی ایسا تم میں مالدار ہو جو
 صحیح العقل نہ ہو مثلاً یتیم یا نابالغ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ اپنی حماقت سے اپنے
 مال کو ضائع کر دیگا تو تم (بطور کورٹ آف وارڈس کے) وہ تمام مال اسکا منتقل
 کے طور پر اپنے قبضہ میں لے لو۔ اور وہ تمام مال جسپر سلسلہ تجارت اور معیشت کا چلنا
 ہے ان بیوقوفوں کے حوالہ مت کرو اور اس مال میں سے بقدر ضرورت انکو کھانے
 اور پہننے کے لئے دیدیا کرو اور انکو اچھی باتیں قول معروف کی کہتے رہو یعنی ایسی
 جتنے انکی عقل اور تمیز بڑھے اور ایک طور سے انکے مناسب حال انکی تربیت
 ہو جائے اور جاہل اور نا تجربہ کار نہ رہیں اگر وہ تاجر کے بیٹے ہیں تو تجارت کے طریقے
 انکو سکھاؤ اور اگر کوئی اور پیشہ رکھتے ہوں تو اس پیشہ کے مناسب حال انکو سیکھتے
 کر دو بغرض ساتھ ساتھ انکو تعلیم دیتے جاؤ اور اپنی تعلیم کو وقتاً فوقتاً امتحان بھی

کرتے جاؤ کہ جو کچھ تم نے سکھایا انہوں نے سمجھا بھی ہے یا نہیں۔ پھر جب نکاح کے لائق ہو جاؤ یعنی عمر قریباً اٹھارہ برس تک پہنچ جائے اور تم دیکھو کہ انہیں اپنے مال کے انتظام کی عقل پیدا ہو گئی ہے تو انکا مال انکے حوالہ کرو۔ اور فضول خرچی کے طور پر انکا مال خرچ نہ کرو اور نہ اس خوف سے جلد ہی کر کے کہ اگر یہ بڑی جائیداد تو اپنا مال لے لیں گے۔ انکے مال کا نقصان کرو۔ جو شخص دولت مند ہو اسکو ہمیں چاہیے کہ انکے مال میں سے کچھ حق الخدمت لیوے۔ لیکن ایک محتاج بطور معروف لے سکتا ہے۔ عرب میں مالی محافظوں کے بیٹے یہ طریق معروف تھا کہ اگر یتیموں کے کار پر دراز انکے مال میں سے لینا چاہتے تو حتی الوسع یہ قاعدہ جاری رکھتے کہ جو کچھ یتیم کے مال کو تجارت سے فائدہ ہوتا اس میں سے آپ بھی لیتے راس المال کو تباہ نہ کرتے۔ سو یہ اسی عادت کی طرف اشارہ ہے کہ تم بھی ایسا کرو اور پھر فرمایا کہ جب تم یتیموں کو مال واپس کرنے لگو تو گواہوں کے روبرو انکو انکا مال دو اور جو شخص فوت ہونے لگے اور بچے اس کے ضعیف اور صغیر اسن ہوں تو اسکو نہیں چاہیے کہ کوئی ایسی وصیت کرے کہ جس میں بچوں کی حق تلفی ہو جو لوگ ایسے طور سے یتیم کا مال کھاتے ہیں جس سے یتیم پر ظلم ہو جائے وہ مال نہیں بلکہ آگ کھاتے ہیں اور آخر جلائیوالی آگ میں ڈالے جائیں گے۔

اب دیکھو خدائے تعالیٰ نے دیانت اور امانت کے کس قدر پہلو بتلائے۔ سو حقیقی دیانت اور امانت وہی ہے جو ان تمام پہلوؤں کے لحاظ سے ہو اور اگر پوری عقلمندی کو دخل دیکر امانت داری میں تمام پہلوؤں کا لحاظ نہ ہو تو ایسی دیانت اور امانت کئی طور سے چھپی ہوئی خیانتیں اپنے ہمراہ رکھنے کی اور پھر دوسری جگہ فرمایا وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْإِسْطِطِلِ وَتُدْرُوا بِهَا إِلَيْكُمْ لَتَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِمْ أَنْ يَكُنُوا فِيهَا شُرَكَاءَ وَتَعْلَمُونَهُ

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَوَدُّواْ الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَاۤنَ اللّٰهُ
 لَا يُحِبُّ الْخٰفِيْنَۙ وَاَوْفُواْ الْكَيْلَۙ اِذَا كَلْتُمْ وَاَنْتُمْ اَبْقٰمًا
 الْمُسْتَقِيْمَۙ وَلَا تَتَّبِعُوا النَّاسَ اَشْيَآءَ هُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا فِي الْاَرْضِ
 مَفْسِدِيْنَۙ وَلَا تَتَّبِعُوْا الْاُخْبِيْثَ بِالطَّيِّبِۙ - یعنی آپس میں ایک
 دوسرے کے مال کو ناجائز طور پر منت کھایا کرو اور نہ اپنے مال کو رشوت کے طور پر
 حکام تک پہنچایا کرو تاہم اگر حکام کی اعانت سے دوسرے کے مال کو دہا دیا جائے
 کو انکے حقداروں کو واپس دیدیا کرو۔ خدا خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں
 رکھتا۔ جب تم ماپو تو پورا ماپو۔ جب تم وزن کرو تو پوری اور بے خلل ترازو سے
 وزن کرو۔ اور کسی طور سے لوگوں کو انکے مال کا نقصان نہ پہنچاؤ اور فساد کی
 نیت سے زمین پر منت پھر کرو یعنی اس نیت سے کہ چوری کریں یا ڈاکہ رانی
 یا کسی کی حبیبت کریں یا کسی اور ناجائز طریق سے بیگانہ مال پر قبضہ کریں اور پھر
 فرمایا کہ تم اچھی چیزوں کے عوض میں خبیث اور ردی چیزیں نہ دیا کرو یعنی طرح
 دوسروں کا مال دبا لینا ناجائز ہے اسی طرح خراب چیزیں بچھنا یا اچھی کے عوض
 میں بُری دینا بھی ناجائز ہے۔ ان تمام آیات میں خدا نے تعالیٰ نے تمام طریقے
 بددیانتی کے بیان فرما دیئے۔ اور ایسا کلام کلی کے طور پر فرمایا جس میں کسی بددیانتی
 کا ذکر باہر نہ جائے۔ صرف یہ نہیں کہا کہ چوری نہ کرو۔ نا ایک نادان یہ نہ سمجھ لے
 کہ چوری میرے لئے حرام ہے۔ مگر دوسرے ناجائز طریقے سب حلال ہیں اس
 کلمہ جامع کے ساتھ تمام ناجائز طریقوں کو حرام ٹھہرانا یہی حکمت بیانی ہے غرض
 اگر کوئی اس بصیرت سے دیانت اور امانت کا خلق اپنے اندر نہیں رکھتا اور ایسے
 تمام پہلوؤں کی رعایت نہیں کرتا۔ وہ اگر دیانت و امانت کو بعض امور میں کھلا
 بھی تو یہ حرکت اسکی خلق دیانت میں داخل نہیں سمجھی جائے گی۔ بلکہ ایک ظہمی

حالت ہوگی جو عقلی تمیز اور بصیرت سے خالی ہے :

تیسری قسم ترک شر کی اخلاق میں سے وہ قسم ہے کہ جسکو عربی میں ہڈ نہ اور ہون کہتے ہیں یعنی دوسرے کو ظلم کی راہ سے بدنی آزار نہ پہنچانا اور بے شر انسان ہونا اور صلح کاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔ بلاشبہ صلح کاری اعلیٰ درجہ کا ایک خلق ہے اور انسانیت کے بیٹے از بس ضروری اور اس خلق کے مناسب حال طبعی قوت جو بچہ میں ہوتی ہے جسکی تبدیل سے خلق بنتا ہے الفت یعنی خوگر فتگی ہے یہ تو ظاہر ہے کہ انسان صرف طبعی حالتیں یعنی اس حالت میں کہ جب انسان عقل سے بے بہرہ ہو صلح کے مضمون کو سمجھ نہیں سکتا۔ اور نہ جنگ جوئی کے مضمون کو سمجھ سکتا ہے۔ پس اس وقت جو ایک عادت موافقت کی اس میں پائی جاتی ہے وہی صلح کاری کی عادت کی ایک جڑ ہے لیکن چونکہ وہ عقل اور تدبیر اور خاص ارادہ سے اختیار نہیں کیجاتی اس لیے خلق میں داخل نہیں بلکہ خلق میں تب داخل ہوگی کہ جب انسان بالا ارادہ اپنے تئیں بشیر بنا کر صلح کاری کے خلق کو اپنے محل استعمال کرے اور بے محل استعمال کرنے سے محتنب رہے اس میں اللہ جل شانہ یہ تعلیم فرماتا ہے وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ اَللّٰهُمَّ خَيْرُ مَا وُرَانِ جَنَّوَا السَّلَامِ فَاجْتَمِعْ لَهَا۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هُوَ نَا وَاِذَا اَمَرُوْا بِالْعِفْوِ مَرُّوْا اِلَيْهَا۔ اِذَا فَعَّ بِاَيِّ هِيْ اَحْسَنُ۔ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهُ عَدَاوَةٌ سَمَاَنَةً وَّرٰى حَمِيْمًا۔ یعنی آپس میں صلح کاری اختیار کرو صلح میں خیر ہے جب وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔ خدا کے نیک بندے صلح کاری کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں اور اگر کوئی لغوات کسی سے سنیں جو جنگ کا مقدمہ اور لڑائی کی ایک تمہید ہو

تو بزرگانہ طور پر طرح دیکر چلے جاتے ہیں اور ادنیٰ ادنیٰ بات پر لڑنا شروع نہیں کر دیتے یعنی جیسا تک کوئی زیادہ تکلیف نہ پہنچے اس وقت تک ہنگامہ پردازی کو اچھا نہیں سمجھتے اور صلح کاری کے محل شناسی کا یہی اصول ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں کو خیال میں نہ لاویں اور معاف فرما دیں اور لغو کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے سو واضح ہو کہ عربی زبان میں لغو اس حرکت کو کہتے ہیں کہ مثلاً ایک شخص نہ اُرت سے ایسی بگو اس کرے یا نہ نیت ایذا ایسا فعل اس سے صادر ہو کہ دراصل اس سے کچھ ایسا صحیح اور نقصان نہیں پہنچتا۔ سو صلح کاری کی یہ علامت ہے کہ ایسی یہودہ ایذا سے چشم پوشی فرما دیں اور بزرگانہ سیرت عمل میں لاویں لیکن ایذا صرف لغو کی مد میں داخل نہ ہو بلکہ اس واقعی طور پر جان یا مال یا عزت کو ضرر پہنچے تو صلح کاری کے خلق کو اس سے کچھ تعلق نہیں بلکہ اگر ایسے گناہ کو بخش جائے تو اس خلق کا نام عفو ہو جس کا انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد بیان ہو گا اور پھر فرمایا کہ جو شخص شرارت سے سے کچھ یادہ گوئی کرے تو تم نیک طریق سے صلح کاری کا اس کو جواب دو۔ تب اس خصلت سے دشمن بھی دوست ہو جائیگا۔ غرض صلح کاری کے طریق سے چشم پوشی کا محل صرف اس درجہ کی بدی ہے جس سے کوئی واقعی نقصان نہ پہنچا ہو۔ صرف دشمن کی یہودہ گوئی ہو۔

چوتھی قسم ترک شر کی اخلاق میں سے رفق اور قول حسن ہے اس میں خلق جس حالت طبعی سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام طلاق یعنی کشادہ روٹی ہے۔ بچہ جب تک کلام کرنے پر قادر نہیں ہوتا بجائے رفق اور قول حسن کے طلاق دکھلاتا ہے۔ یہی دلیل اس بات پر ہے کہ رفق کی جڑ جہاں سے یہ شاخ پیدا ہوتی ہے طلاق ہے۔ طلاق ایک قوت ہے اور رفق ایک خلق ہے جو اس

قوت کو محل پر استعمال کرنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اس میں خدائے تعالیٰ کی تعلیم یہ ہے۔ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا لَا يَسْحَرُ قَوْمٌ قَوْلَ قَوْمٍ غَسَّ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا مِنْ هُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ابْغِضُوا كَثِيرًا مِنَ الظُّلَمِ إِنَّ بَعْضَ الظُّلَمِ إِلَهُمْ وَلَا يَخْشَوْنَ وَلَا يَخْشَى بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ سَرِيعٌ وَلَا تَقْعَبُوا مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْدهُ مَسْجُودًا یعنی لوگوں کو وہ بتا رہا کہ جو وہ واقعی طور پر نیک ہوں۔ ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھکانہ کرے ہو سکتا ہے کہ جسے ٹھٹھکا کیا گیا ہے وہی اچھے ہوں۔ بعض عورتیں بعض عورتوں سے ٹھٹھکانہ کر رہی ہو سکتا ہے کہ جسے ٹھٹھکا کیا گیا ہے وہی اچھی ہوں اور عیب مت لگاؤ اپنے لوگوں کے برے برے نام مت رکھو۔ بدگمانی کی باتیں مت کرو اور نہ عیبوں کو کرید کرید کر پوچھو ایک دوسرے کا گلہ مت کرو۔ کسی کی نسبت وہ بہتان یا الزام مت لگاؤ جس کا تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں اور یاد کہ ہر ایک عضو سے مواخذہ ہوگا اور کان آنکھ دل ہر ایک سے پوچھا جائیگا۔ اب ترک شر کے اقسام ختم ہو چکے اور اب ہم ایصال خیر کے اقسام بیان کرتے ہیں۔ دوسری قسم ان اخلاق کی جو ایصال خیر سے تعلق رکھتے ہیں پہلا خلق ان میں سے عفو ہے یعنی کسی کے گناہ کو بخش دینا اس میں ایصال خیر ہے کہ جو گناہ کرتا ہے وہ ایک ضرر پہنچاتا ہے اور اس لائق ہوتا ہے کہ اسکو بھی ضرر پہنچایا جائے۔ سزا دلائی جائے قید کرایا جائے جرمانہ کرایا جائے یا پ ہی اسپر ہاتھ اٹھایا جائے۔ پس اس کو بخشنیہ اگر مناسب ہو تو اس کے

ایصال خیر کے اقسام

حق میں ایصالِ خیر ہے۔ اس میں قرآن شریف کی تعلیم یہ ہے۔ وَالْكَافِرِينَ
 الْخَيْطَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ طَجَزَ اَعْسَيْتَ سَيْتَ مَلَهَا
 فَمَنْ دَعْفَى وَاَصْلَهُ فَاَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ط یعنی نیک آدمی وہ ہیں جو
 کھانے کے محل پر اپنا غصہ کھا جاتے ہیں اور بخشنے کے محل پر گناہ کو بخشنے
 ہیں۔ بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے جو کیگتی ہو لیکن جو شخص گناہ کو بخشدے اور
 ایسے موقع پر بخشنے کہ اس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو کوئی شرمیدانہ ہوتا ہو یعنی
 عین عفو کے محل پر ہونہ غیر محل پر تو اسکا وہ بدلہ پائیگا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ
 قرآنی تعلیم یہ نہیں کہ خواہ سچا اور ہر جگہ شرم کا مقابلہ نہ کیا جائے۔ اور شرمیوں اور
 ظالموں کو سزا نہ دیجائے۔ بلکہ تعلیم ہے کہ دیکھنا چاہیے کہ وہ محل اور موقع گناہ
 بخشنے کا ہے یا سزا دینے کا ہے پس مجرم کے حق میں اور نیز عامہ خلائق کے حق میں
 جو کچھ فی الواقع بہتر ہو وہی صورت اختیار کیجائے بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے
 سے اور بھی دلیر ہو جاتا ہے۔ پس خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ اندھوں کی طرح
 صرف گناہ بخشنے کی عادت مت ڈالو بلکہ غور سے دیکھ لیا کرو کہ حقیقی نیکی کس بات
 میں ہے آیا بخشنے میں یا سزا دینے میں۔ پس جو امر محل اور موقع کے مناسب
 ہو وہی کرو۔ افراد انسانی کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ جیسے بعض لوگ
 کینہ کشی پر بہت حریص ہوتے ہیں یہاں تک کہ داؤوں پر داؤوں کے کینوں
 کو یاد رکھتے ہیں ایسا ہی بعض لوگ عفو اور درگزر کی عادت کو انتہا تک پہنچا
 دیتے ہیں اور بسا اوقات اس عادت کے افراط سے دیوثی تک نوبت پہنچ
 جاتی ہے اور ایسے قابلِ شرم علم اور عفو اور درگزر ان سے صادر ہوتے ہیں جو
 سراسر حسیت اور غیرت اور عقبت کے برخلاف ہوتے ہیں بلکہ نیک چلتی پر داغ کھاتے
 ہیں اور ایسے عفو اور درگزر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب لوگ تو بہ کر اٹھتے ہیں

انہی خرابیوں کے لحاظ سے قرآن شریف میں ہر ایک خلق کے لیے محل اور موقع کی شرط لگا دی ہے اور ایسے خلق کو منظور نہیں رکھا جو بے محل صادر ہو۔ یاد رہے کہ مجرد عفو کو خلق نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ایک طبعی قوت ہے جو بچوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ بچہ کو جس کے ہاتھ سے چوٹ لگ جائے خواہ شرارت سے ہی لگے تھوڑی دیر کے بعد وہ اس قصہ کو بھلا دیتا ہے اور پھر اس کے پاس نجاست سے جاتا ہے اور اگر ایسے شخص نے اس کے قتل کا بھی ارادہ کیا ہو تب بھی صرف بیٹھی بات پر خوش ہو جاتا ہے پس ایسا عفو کسی طرح خلق میں داخل نہیں ہوگا۔ خلق میں اس صورت میں داخل ہوگا جب ہم اس کو محل اور موقع پر استعمال کریں گے ورنہ صرف ایک طبعی قوت ہوگی۔ دنیا میں بہت تھوڑے ایسے لوگ ہیں جو طبعی قوت اور خلق میں فرق کر سکتے ہیں۔ ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ حقیقی خلق اور طبعی حالتوں میں یہ فرق ہے کہ خلق ہمیشہ محل اور موقع کی پابندی اپنے ساتھ رکھتا ہے اور طبعی قوت بے محل ظاہر ہو جاتی ہے یوں تو چار پانچ میں گائے بھی بے شر ہے اور بکری بھی دل کی غویب ہے مگر ہم انکو اسی سبب سے ان مخلوقوں سے متصف نہیں کہہ سکتے کہ انکو محل اور موقع کی عقل نہیں دیکھی۔ خدا کی حکمت اور خدا کی سچی اور کامل کتاب نے ہر ایک خلق کے ساتھ محل اور موقع کی شرط لگا دی ہے :

دوسرا خلق اخلاق ایصال خیر میں سے عدل ہے اور تیسرا احسان اور چوتھا ابتداء ذی القربی جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْتِيهِ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَيُنْزِلُ ذِي الْقُرْبَىٰ بَعْدَ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کر۔ اور اگر عدل سے بڑھ کر احسان کا موقع اور محل ہو تو وہاں احسان کرو اور اگر احسان سے بڑھ کر

قریبوں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کر نیکیا محل ہو تو وہاں طبعی ہمدردی سے نیکی
 کرو اور اس سے خدائے تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ تم حدود اعتدال سے آگے
 گزر جاؤ۔ یا احسان کے بارے میں منکرانہ حالت تم سے صادر ہو جس سے عقل
 انکار کرے یعنی یہ کہ تم بے محل احسان کرو یا بے محل احسان کر پیسے دریغ کرو
 یا یہ کہ تم محل پر ایثار ذی القربی کے خلق میں کچھ کمی اختیار کرو یا حد سے زیادہ
 رحم کی بارش کرو۔ اس آیت کریمہ میں ایصال خیر کے تین درجوں کا بیان ہے
 اول یہ درجہ کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کی جائے۔ یہ تو کم درجہ ہے اور دانی درجہ
 کا بھلا مانس آدمی بھی یہ خلق حاصل کر سکتا ہے کہ اپنے نیکی کرنے والوں کے ساتھ
 نیکی کرتا رہے۔ دوسرا درجہ اس سے مشکل ہے اور وہ یہ کہ ابتداءً آپ ہی نیکی
 کرنا اور بغیر کسی کے حق کے طور پر اسکو فائدہ پہنچانا اور یہ خلق اوسط درجہ کا ہے۔
 اکثر لوگ غریبوں پر احسان کرتے ہیں اور احسان میں یہ ایک مخفی عیب ہے
 کہ احسان کر نیوالا خیال کرتا ہے کہ میں نے احسان کیا ہے اور کم سے کم وہ اپنے انصاف
 کے عوض میں شکریہ یاد عطا جاتا ہے اور اگر کوئی ممنون منت اسکا مخالف ہو جائے
 تو اس کا نام احسان فراموش رکھا ہے بعض وقت اپنے احسان کی وجہ سے
 اس پر فوق الطاق بوجھ ڈال دیتا ہے اور اپنا احسان اسکو یاد دلانا ہے جیسا کہ
 احسان کر نیوالوں کو خدائے تعالیٰ متنبہ کر نیکیے فرماتا ہے۔ لَا تَبْتَغُوا
 صَدَقَاتِي تَكْمُلُ بِالْمَنِّ وَالْاَذَى۔ یعنی اے احسان کر نیوالو! اپنی
 صدقات کو جن کی صدق پر بنا چاہیے احسان یاد دلانے اور دکھ دینے کے
 ساتھ برباد مت کرو یعنی صدقہ کا لفظ صدق سے مشتق ہے۔ پس اگر دل
 میں صدق اور اخلاص نہ رہے تو وہ صدقہ صدقہ نہیں رہتا بلکہ ایک یا کاپی
 کی حرکت ہو جاتی ہے غرض احسان کر نیوالے میں یہ ایک خامی ہوتی ہے کہ

کبھی غصہ میں آکر اپنا احسان بھی یاد دلادیتا ہے اسی وجہ سے خدائے تعالیٰ نے احسان کرنیوالوں کو ڈرایا۔ تیسرا درجہ ایصال خیر کا خدائے تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ بالکل احسان کا خیال نہ ہو اور نہ شکر گزاری پر نظر ہو بلکہ ایک ایسی ہمدردی کے جوش سے نیکی صادر ہو جیسا کہ ایک نہایت قریبی مثلاً والدہ محض ہمدردی کے جوش سے اپنے بیٹے سے نیکی کرتی ہے۔ یہ وہ آخری درجہ ایصال خیر کا ہے جس سے آگے ترقی کرنا ممکن نہیں لیکن خدائے تعالیٰ نے ان تمام ایصال خیر کی قسموں کو محل اور موقع سے وابستہ کر دیا ہے اور آیت موصوفہ میں صاف فرمادیا ہے کہ اگر یہ نیکیاں اپنے اپنے محل پر متعلق نہیں ہونگی تو پھر یہ بدیاں ہو جائیں گی۔ بجائے عدل فحشا بن جائیگا۔ یعنی حد سے اتنا تجاوز کرنا کہ ناپاک صورت ہو جائے۔ اور ایسا ہی بجائے احسان کے منکر کی صورت نکل آئیگی۔ یعنی وہ صورت جس سے عقل اور کائناتیں انکار کرتا ہے اور بجائے ابتداء ذی القربٰی کے بغی بن جائیگا یعنی وہ بے محل ہمدردی کا جوش ایک بری صورت پیدا کرے گا۔ اصل میں بغی اس بارش کو کہتے ہیں جو حد سے زیادہ برس جائے اور کھیتوں کو تباہ کر دے اور حق واجب میں کمی لکھنے کو بغی کہتے ہیں۔ اور یا حق واجب سے افزونی کرنا بھی بغی ہے۔ غرض ان تینوں میں سے جو محل پر صادر نہیں ہوگا وہی خراب سیرت ہو جائے گی۔ اسی بیٹے ان تینوں کے ساتھ موقع اور محل کی شرط لگا دی ہے۔ اسلئے یاد ہے کہ مجرد عدل یا احسان یا ہمدردی ذی القربٰی کو خلق نہیں کر سکتے۔ بلکہ انسان میں یہ سب طبعی حالتیں اور طبعی قوتیں ہیں کہ جو بچوں میں بھی وجود عقل سے پہلے پائی جاتی ہیں۔ مگر خلق کے بیٹے عقل شرط ہے اور نیز بہ شرط ہے کہ ہر ایک طبعی قوت محل اور موقع پر استعمال ہو۔

اور پھر احسان کے بارے میں اور بھی ضروری باتیں قرآن شریف میں ہیں
 اور سب کو الف لام کے ساتھ جو خاص کرنے کے لیے آتا ہے استعمال فرما کر
 موقع اور محل کی رعایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طِبَسَاتِ مَا كَسَبْتُمْ
 وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ يَا
 لَيْسَ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ أَحْسَنُوا
 إِنَّ اللَّهَ يَحِبُّ الْمُحْسِنِينَ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَنْشُرُونَ مِنَ
 كَافِرٍ كَانَتْ مِنْهُمْ أَهْمًا كَأَنَّهُمْ عَيْنًا يُشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ
 يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ
 مَشْكُونًا فَوْقَ بَيْتِهِمْ وَأَسِيرًا إِنَّهُمْ لَطُغْمُكُمْ لَوْ جَاءَ اللَّهُ لَا
 تُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا وَآتَى الْمَالَ عَلَى
 حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْأَنْسِلِ
 وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ
 يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا
 أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُؤْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخْلُفُونَ سَوَاءَ
 الْحِسَابِ وَفِي آيَاتِهِمْ حَقٌّ لِّلْسَكِلِ وَالْحَرَامِ وَالَّذِينَ
 يَنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ
 سِرًّا وَعَلَانِيَةً هَٰذَا مِمَّا الصَّدَقَاتِ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَ
 الْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَكَّفَةُ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْخَارِجِينَ
 فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْأَنْسِلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ
 عَلِيمٌ حَكِيمٌ لَّا تَتْلُوا الدِّينَ حَتَّىٰ تَنْفِقُوا مِنْهَا خَبْرُونَ

وَاٰتِ اِلٰہَ الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ لَا
یَسْخَرُ سَخِرَ بَرَّاهُ وَ بِالْوَالِدِیْنِ اِحْسَانًا وَّ یَذِی الْقُرْبٰی
وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ
وَ الصَّابِیْجِ بِالْجُنُبِ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَلًا کُفُو مِرَہِ الَّذِیْنَ یَخْلُوْنَ
وَاٰمُرُوْا النَّاسَ بِالْبِحْلِ وَ یُکْمُوْا مَا اَلٰہُمُ اللّٰہُ مِنْ
فَضْلِہ ترجمہ یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم ان مالوں میں سے لوگوں کو
بطریق سخاوت یا احسان یا صدقہ وغیرہ دو جو تمھاری پاک کمائی ہے یعنی
جس میں چوری یا رشوت یا خیانت یا غبن کا مال یا ظلم کے روپیہ کی آمیزش
نہیں اور یہ قصہ تمھارے دل سے دور ہے کہ ناپاک مال لوگوں کو دو اور
دوسری یہ بات ہے کہ اپنی خیرات اور مروت کو احسان رکھنے اور دیکھ دینے
کے ساتھ باطل مت کرو یعنی اپنے ممنون مت کو کبھی یہ نہ بتلاؤ کہ ہم نے
تجھے یہ دیا تھا اور نہ اُس کو دیکھ دو کیونکہ اس طرح تمھارا احسان باطل ہوگا
اور نہ ایسا طریق پکڑو کہ تم اپنے مالوں کو ریاکاری کے ساتھ خرچ کرو۔ خدا کی
مخلوق سے احسان کرو کہ خدا احسان کر نیوالوں کو دوست رکھتا ہے جو لوگ
حقیقی نیکی کر نیوالے ہیں انکو وہ جام پلائے جائیں گے جنکی ملوثی کا فور کی
ہوگی یعنی دنیا کی سوزشیں اور حسرتیں اور ناپاک خواہشیں انکے دل سے دور
کر دی جائیں گی۔ کا فور کفر سے مشتق ہے اور کفر لغت عرب میں دبانے اور
ڈھانکنے کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ انکے جذبات ناجائز دبائے جائیں گے
اور وہ پاک باطن ہو جائیں گے اور معرفت کی خنکی انکو پہنچے گی پھر فرماتا ہے
کہ وہ لوگ قیامت کو اس چشمہ کا پانی پئیں گے جسکو وہ آج اپنے ہاتھ سے

چیرے ہیں۔ اسجگہ بہشت کی فلاسفی کا ایک گہرا راز بتلایا ہے جس کو سمجھنا ہو سمجھ لے۔ اور پھر فرمایا ہے کہ حقیقی نیکی کریوالوں کی یہ خصلت ہے کہ وہ محض خدا کی محبت کے لیے وہ کھانے جو آپ پسند کرتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہارے کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ یہ کام صرف اس بات کے لیے کرتے ہیں کہ خدا ہم سے راضی ہو اور اُس کے منہ کے لیے یہ خدمت ہے ہم تم سے نہ تو کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ چاہتے ہیں کہ تم ہمارا شکر کرتے پھر وہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ابھی حال خیر کی تیسری قسم جو محض ہمدردی کے جوش سے ہے وہ طریق بجالاتے ہیں سچے نیکو کی یہ عادت ہوتی ہے کہ خدا کی رضا جوئی کے لیے اپنے قریبیوں کو اپنے مال سے مدد کرتے ہیں اور نیز اس مال میں سے یتیموں کے تنہا اور ان کی پرورش اور تعلیم وغیرہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور مسکینوں کو فقر و فاقہ سے بچاتے ہیں اور مسافروں اور بڑا ہوا کی خدمت کرتے ہیں اور ان مالوں کو غلاموں کو آزاد کرانیکے لیے اور قرضداروں کو سکون کرانیکے لیے بھی دیتے ہیں اور اپنے خرچوں میں نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ تنگدلی کی عادت رکھتے ہیں اور میانہ روش چلتے ہیں پونہ کر نیکی جگہ پر پونہ کرتے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں اور انکے مالوں میں سوا الیوں اور بے زبانون کا حق بھی ہے۔ بے زبانون سے مراد کتے بلیاں چڑیاں بیل گدھے بکریاں اور دوسری چیزیں ہیں وہ تکلیفوں اور کم آمدنی کی حالت میں اور قحط کے دنوں میں سخاوت سے دل تنگ نہیں ہو جاتے بلکہ تنگی کی حالت میں بھی اپنی مقدور کے موافق سخاوت کرتے رہتے ہیں وہ کبھی پوشیدہ خیرات کرتے ہیں اور کبھی ظاہر۔ پوشیدہ اس لیے کہ تار یا کاری سے بچیں اور ظاہر اس لیے کہ تادوسروں کو ترغیب دیں۔ خیرات اور صدقات وغیرہ پر جو مال دیا جائے اس میں یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ پہلے حق قدر محتاج ہیں انکو دیا جائے۔ ہاں جو خیرات کے مال کا تنہا کریں یا اس کے لیے انتظام و اہتمام کریں انکو خیرات کے مال سے کچھ مال مل سکتا ہے

اور نیز کسی کو بدی سے بچانے کے لیے بھی اس مال میں سے دے سکتے ہیں۔ ایسا ہی وہ مال غلاموں کے آزاد کرنے کے لیے اور محتاج اور قرضداروں اور آفت زدہ لوگوں کی مدد کیلئے بھی اور دوسری راہوں میں جو محض خدا کے لیے ہوں خرچ ہو گا تم حقیقی نیکی کو ہرگز نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنی نوع کی بھار دی میں وہ مال خرچ نہ کرو جو تمہارا پیارا مال ہے غریبوں کا حق ادا کرو مسکینوں کو دو مسافروں کی خدمت کرو اور فضولیوں سے اپنے تئیں بچاؤ یعنی بیابانوں میں اور طرح طرح کی عیاشی کی جگہوں میں اور لڑکا پیدا ہونے کی رسوم میں جو اسراف سے مال خرچ کیا جاتا ہے اس سے اپنے تئیں بچاؤ تم ماں باپ سے نیکی کرو اور قریبیوں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور ہمسایہ سے جو تمہارا قریبی ہے اور ہمسایہ سے جو بیگانہ ہے اور مسافر سے اور نوکر اور غلام اور گھوڑے اور بکری اور بیل اور گائے سے اور حیوانات سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں کیونکہ خدا کو جو تمہارا خدا ہے یہی عادتیں پسند ہیں۔ وہ لا پرواہیوں اور غریبوں سے محبت نہیں کرتا اور ایسے لوگوں کو نہیں چاہتا جو بخیل ہیں اور لوگوں کو بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنے مال کو چھپاتے ہیں یعنی محتاجوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اور منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے وہ حالت ہے جو شجاعت سے مشابہ ہوتی ہے جیسا کہ شیر خوار بچہ بھی اسی قوت کی وجہ سے کبھی آگ میں ہاتھ ڈالنے لگتا ہے کیونکہ انسان کا بچہ باعث فطرتی جو ہر غلبہ انسانیت کے ڈرائیو اے نمونوں سے پہلے کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتا۔ اس حالت میں انسان نہایت بے باکی سے شیروں اور دوسرے جنگلی درندوں کا بھی مقابلہ کرتا ہے اور تنہا مقابلہ کے لیے کئی آدمیوں کے لڑنے کے لیے نکلتا ہے اور لوگ جانتے ہیں کہ بڑا بہادر ہے لیکن یہ صرف ایک طبعی حالت ہے کہ اور درندوں میں بھی پیدا ہوتی ہے بلکہ کتوں میں بھی پائی جاتی ہے اور حقیقی شجاعت جو محل اور موقع کے ساتھ خاص ہے اور جو اخلاق فاضلہ میں سے ایک خلق ہے وہ ان محل

اور موقع کے امور کا نام ہے جن کا ذکر خدا نے تعالیٰ کے پاک کلام میں اہلج پر آیا ہے
 وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ وَالَّذِينَ
 صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ
 قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ
 وَنِعْمَ الْوَكِيلُ وَكَانَ لَكُمْ لُذُوكَ الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِطَرَا
 قٍ مُسْتَأْنَفٍ النَّاسُ يَعْنِي بَادِرُوهُ هِيَ كَبَلُ لُذُوكَ كَمَا مَوْجِهُ پُڑے یا انپر کوئی مصیبت
 آپڑے تو بھاگتے نہیں انکا صبر لُذُوكَ اور غنیمتوں کے وقت میں خدا کی رضا مندی
 کے لیے ہوتا ہے اور اُس کے چہرہ کے طالب ہونے میں نہ کہ بہادری دکھانے
 اُن کو ڈرایا جاتا ہے کہ لوگ تمہیں مزا دینے کے لیے اتفاق کر گئے ہیں سو تم
 لوگوں سے ڈرو پس ڈرانے سے اور بھی اُن کا ایمان بڑھتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ
 خدا ہمیں کافی سے یعنی انکی شجاعت و زندگیوں اور کنتوں کی طرح نہیں ہوتی جو صرف طبعی
 جوش پر مبنی ہو جس کا ایک ہی پہلو پر میل ہو بلکہ انکی شجاعت دو پہلو رکھتی ہے کبھی تو
 وہ اپنی ذاتی شجاعت سے اپنے نفس کے جذبات کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس پر غالب آتے
 ہیں اور کبھی جب دیکھتے ہیں کہ دشمن کا مقابلہ قرین مصلحت ہے تو نہ صرف جوش نفس
 سے بلکہ سچائی کی مدد کے لیے دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں مگر نہ اپنے نفس کا بھروسہ
 کر کے بلکہ خدا پر بھروسہ کر کے بہادری دکھاتے ہیں اور انکی شجاعت میں ریا کاری اور
 خود بینی نہیں ہوتی اور نہ نفس کی پیروی بلکہ ہر ایک پہلو سے خدا کی رضا مقدم ہوتی
 ہے۔ ان آیات میں سمجھایا گیا ہے کہ حقیقی شجاعت کی جڑ صبر اور ثابت قدمی ہے
 اور ہر ایک جذبہ نفسانی یا بلا جو دشمنوں کی طرح حملہ کرے اس کے مقابلہ پر ثابت
 قدم رہنا اور بزدل ہو کر بھاگ نہ جانا یہی شجاعت ہے سو انسان اور روزہ کی
 شجاعت میں بڑا فرق ہے درندہ ایک ہی پہلو پر جوش اور غضب کے کام لیتا ہے

اور انسان جو حقیقی شجاعت رکھتا ہے وہ مقابلہ اور ترک مقابلہ میں جو کچھ قرین مصلحت ہو وہ اختیار کر لیتا ہے ۴

اور منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اس کی فطرت کا خاصہ ہے سچائی ہے انسان جب تک کوئی غرض نفسانی اس کی محرک نہ ہو جھوٹ بولنا نہیں چاہتا اور جھوٹ کے اختیار کرنے میں ایک طرح کی نفرت اور قبض پانے دل میں پاتا ہے اسی وجہ سے جس شخص کا مزاج جھوٹ ثابت ہو جائے اس سے ناخوش ہوتا ہے اور اس کو تحقیر کی نظر سے دیکھتا ہے۔ لیکن صرف یہی طبعی حالت اخلاق میں داخل نہیں ہو سکتی بلکہ بچے اور دیوانے بھی اس کے پابند رہ سکتے ہیں۔ سو اصل حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان ان نفسانی اغراض سے علیحدہ نہ ہو جو راست گوئی سے روک دیتے ہیں تب تک حقیقی طور پر راست گو نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اگر انسان صرف ایسی باتوں میں سچ بولے جن میں اس کا چنداں حرج نہیں اور اپنی عورت یا مال یا جان کے نقصان کے وقت جھوٹ بول جائے اور سچ بولنے سے خاموش رہے تو اس کو دیوانوں اور بچوں پر کیا فوجیت ہے کیا پاگل اور نابالغ لڑکے بھی ایسا سچ نہیں بولتے دنیا میں ایسا کوئی بھی نہیں ہوگا کہ جو بغیر کسی تحریک کے خواہ ناخواہ جھوٹ بولے پس ایسا سچ جو کسی نقصان کے وقت چھوڑا جائے حقیقی اخلاق میں ہرگز داخل نہیں ہوگا سچ کے بولنے کا بڑا بھاری محل اور موقع وہی ہے جس میں اپنی جان یا مال یا آبرو کا اندیشہ ہو

اس میں خدا کی یہ تعلیم ہے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ وَلَا يَأْبُ الشُّهَدَاءُ إِعْرَادَ أَمَادٍ عَوَا۔ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الشُّكَّاءِ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ أَتَمَّ قَلْبُهُ۔ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدُوا وَلَوْ كُنَّا ذَا قُرْبَىٰ لَقُودُوا قَوَّامِينَ يَلْقِئُ شَهَادَةَ اللَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ تَعْمَلُونَ

عَلَى الْاِتِّعَادِ لَنَا وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ
وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ لَا يَشْهَدُ ذَنْبُ الرَّادِّ - ترجمہ - بتوں کی پرستش اور
اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو یعنی جھوٹ بھی ایک بُت ہے جس پر بھروسہ نہ کرنا
خدا کا بھروسہ سچوڑ دیتا ہے۔ سو جھوٹ بولنے سے خدا بھی ہاتھ سے جاتا ہے اور بھروسہ
فرمایا کہ جب تم سچی گواہی کے لیئے بلائے جاؤ تو جانے سے انکار مت کرو اور سچی گواہی کو
مرتب چھپاؤ اور جو چھپاؤ گا اُس کا دل گنہگار ہے اور جب تم بولو تو وہی بات منہ پر
لاؤ جو سراسر سچ اور عدالت کی بات ہے اگرچہ تم اپنے کسی قریبی پر گواہی دو۔ حق
اور انصاف پر قائم ہو جاؤ اور چاہیے کہ ہر ایک گواہی تمہاری خدا کے لیئے ہو۔
جھوٹ مت بولو اگرچہ سچ بولنے سے تمہاری جانوں کو نقصان پہنچے یا اس سے تمہارا
ماں باپ کو ضرر پہنچے اور قریبیوں کو جیسے بیٹے وغیرہ کو۔ اور چاہیے کہ کسی قوم کی
دشمنی تمہیں سچی گواہی سے نہ روکے پیچھے مر دو اور سچی عورتیں بڑے بڑے اجر پائیں گے۔
انکی عادت ہے کہ اوروں کو بھی سچ کی نصیحت دیتے ہیں اور جھوٹوں کی مجلسوں
میں نہیں بیٹھتے :

منجملہ انسان کے طبعی امور کے ایک صبر ہے جو اسکو ان مصیبتوں اور بیماریوں
اور دکھوں پر کرنا پڑتا ہے جو اس پر ہمیشہ پڑتے رہتے ہیں اور انسان بہت سے
سیا پے اور جزع فزع کے بعد صبر اختیار کرتا ہے لیکن جانا چاہیے کہ خدا نے تعالیٰ
کی پاک کتاب کے رو سے وہ صبر اخلاق میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ ایک حالت ہے جو
جو تک جائیکے بعد ضرورتاً ظاہر ہو جاتی ہے یعنی انسان کی طبعی حالتوں میں سے
یہ بھی ایک حالت ہے کہ وہ مصیبت کے ظاہر ہونیکے وقت پہلے رونا چیتا سر
پیٹتا ہے آخر بہت سا بخار بھالکد جوش قہم جاتا ہے اور انتہا تک پہنچ کر چھٹنا
پڑتا ہے پس یہ دونوں حرکتیں طبعی حالتیں ہیں انکو خلق سے کچھ تعلق نہیں بلکہ اسکے

متعلق خلق یہ ہے کہ جب کوئی چیز اپنے ہاتھ سے جاتی رہے تو اس چیز کو خدائے تعالیٰ کی امانت سمجھ کر کوئی شکایت منہ پر نہ لاوے اور یہ کہے کہ خدا کا ہتھ خدا نے لے لیا اور ہم اسکی رضا کے ساتھ راضی ہیں اس کے متعلق خدائے تعالیٰ کا پاک کلام قرآن شریف ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ

یعنی اے مومنو! ہم تمہیں اس طرح پر آزماتے رہیں گے کہ کبھی کوئی خوفناک حالت تم پر طاری ہوگی اور کبھی فقر و فاقہ تمہارے شامل حال ہوگا اور کبھی تمہارا مالی نقصان ہوگا اور کبھی جانوں پر آفت آئے گی اور کبھی اپنی محنتوں پر ناکام رہو گے اور حسب المراد نتیجے کوششوں کے نہیں نکلیں گے اور کبھی تمہاری پیاری اولاد مرے گی پس ان لوگوں کو خوشخبری ہو کہ جب انکو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی چیزیں اور اس کی امانتیں اور اس کے ملوک ہیں۔ پس حق یہی ہے کہ جس کی امانت ہے اسکی طرف رجوع کرے یہی لوگ ہیں جنہر خدا کی رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہیں جو خدا کی راہ کو پاگئے۔ غرض اس خلق کا نام صبر اور رضا برضا الہی ہے اور ایک طور سے اس خلق کا نام عدل بھی ہے کیونکہ جبکہ خدائے تعالیٰ انسان کی تمام زندگی میں اسکی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اور نیز ہزار بابائیں اسکی مرضی کے موافق خطوط میں لاتا ہے اور انسان کی خواہش کے مطابق اسقدر نعمتیں اسکو دے رکھی ہیں کہ انسان شہار نہیں کر سکتا تو پھر یہ شرط انصاف نہیں کہ اگر وہ کبھی اپنی مرضی بھی منوانا چاہے تو انسان منحرف ہو اور اس کی رضا کے ساتھ راضی نہ ہو اور چون و چرا کرے یا بے دین اور بے راہ ہو جائے۔

ہمدردی قائم

اور منجملہ انسان کے طبعی امور کے جو اس کی طبیعت کے لازم حال ہیں ہمدردی قائم
 کا ایک جوش ہے قوی حمایت کا ایک جوش بالطبع ہر ایک مہرب کے لوگوں میں پایا جاتا
 ہے اور اکثر لوگ طبعی جوش سے اپنی قوم کی ہمدردی کے لیے دوسروں پر ظلم کر دیتے
 ہیں گویا انہیں انسان نہیں سمجھتے۔ سو اس حالت کو خلق نہیں کہہ سکتے یہ فقط
 ایک طبعی جوش ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حالت طبعی کو دوسرے پر زور
 میں بھی پائی جاتی ہے کہ ایک کوٹے کے مرنے پر ہزار پا کوٹے جمع ہو جاتے ہیں
 لیکن یہ عادت انسانی اخلاق میں اسوقت داخل ہوگی جبکہ ہمدردی انصاف اور
 عدل کی رعایت سے عمل اور موقع پر ہو اسوقت یہ ایک عظیم الشان خلق ہوگا جس کا
 نام عربی میں مواسات اور فارسی میں ہمدردی ہے اسی کی طرف اللہ جل شانہ
 قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ذَکَا
 تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِسْحَاقِ وَالْعُدْوَانِ وَکَآتِهْمُوَانِی اِمْتِعَا الْعُقُومِ
 وَکَآتِکُمْ لِنَاصِیْنِ خَصِیْمًا وَکَآتِجَادِلْ عَنِ الدِّیْنِ یَحْتَنُوْنَ
 اَنْفُسَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ کَآیُّمٌ مِّنْ سَکَانَ خَوَآنَا اَرِیْمًا یعنی اپنی
 قوم کی ہمدردی اور اعانت فقط نیکی کے کاموں میں کرنی چاہیئے اور ظلم اور زیادتی
 کے کاموں میں اُن کی اعانت ہرگز نہیں کرنی چاہیئے اور قوم کی ہمدردی میں
 سرگرم رہو تھکو مت اور خیانت کر نیوالوں کی طرف سے مت جھگڑو جو خیانت
 کرنے سے باز نہیں آتے خدائے تعالیٰ خیانت پیشہ لوگوں کو دوست نہیں رکھتا
 منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اس کی فطرۃ کو لازم پڑی ہوئی ہیں ایک
 برتر ہستی کی تلاش ہے جس کے لیے اندر ہی اندر انسان کے دل میں ایک کشش
 موجود ہے اور اس تلاش کا اثر اسی وقت سے ہونے لگتا ہے جبکہ بچہ ماں کے
 پیٹ سے باہر آتا ہے کیونکہ بچہ پیدا ہوتے ہی پہلے روحانی خاصیت اپنی جو کھاتا

برتر ہستی کی تلاش

ہے وہ یہی ہے کہ ماں کی طرف جھکا جاتا ہے اور بطبعاً اپنی ماں کی محبت رکھتا ہے اور پھر جیسے جیسے حواس اُسکے کھلتے جلتے ہیں اور تنگ و فطرت اسکا کھلتا جاتا ہے پکشل محبت جو اس کے اندر چھپی ہوئی تھی اپنا رنگ روپ نمایاں طور پر دکھائی چلی جاتی ہے پھر تو یہ ہوتا ہے کہ بجز اپنی ماں کی گود کے کسی جگہ آرام نہیں پاتا اور پورا آرام اُسکا اسی کے کنار عافیت میں ہوتا ہے اگر ماں سے علیحدہ کر دیا جائے اور دُور ڈال دیا جائے تو تمام عیش اس کا تلخ ہو جاتا ہے اور اگرچہ اس کے اگے نہتوں کا ایک ڈھیر ڈال دیا جاوے تب بھی وہ اپنی سچی خوشحالی ماں کی گود میں ہی دیکھتا ہے اور اس کے بغیر کسی طرح آرام نہیں پاتا سو وہ کشش محبت جو اسکو اپنی ماں کی طرف پیدا ہوتی ہے وہ کیا چیز ہے؟

در حقیقت یہ وہی کشش ہے جو معبود حقیقی کے بیٹے بچہ کی فطرت میں رکھی گئی ہے بلکہ ہر ایک جگہ جو انسان تعلق محبت پیدا کرتا ہے در حقیقت وہی کشش کام کر رہی ہے اور ہر ایک جگہ جو یہ عاشقانہ جوش دکھلاتا ہے در حقیقت اسی محبت کا وہ ایک عکس ہے گویا دوسری چیزوں کو اٹھا اٹھا کر ایک گم شدہ چیز کی تلاش کر رہا ہے جس کا اب نام بھول گیا ہے سو انسان کا مال یا اولاد یا بیوی سے محبت کرنا یا کسی خوش آواز کے گیت کی طرف اس کی روح کا پھینچ جانا در حقیقت اُسی گم شدہ محبوب کی تلاش ہے اور چونکہ انسان اس دقیق در دقیق ہستی کو جاگ کی طرح ہر ایک میں مخفی اور سب پر پوشیدہ ہے اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا اور نہ اپنی ناتمام عقل سے اسکو پاسکتا ہے اس لیے اسکی معرفت کے بارے میں انسان کو بڑی بڑی غلطیاں لگی ہیں اور سہو کاریوں سے اُسکا حق دوسرے کو دیا گیا ہے خدا نے قرآن شریف میں یہ خوب مثال دی ہے کہ دنیا ایک ایسے نشین محل کی طرح ہے جسکی زمین کا

کہ ایسا کب ہوگا سو وہی خدا ہے جو ان تمام وقتوں کو جانتا ہے پھر فرمایا کہ ھُوَ السَّمِيعُ
یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور انکے اعمال سے پہلے محض اپنے لطف سے نہ کسی عرض
سے اور نہ کسی عمل کی پاداش میں انکے لیے سامان راحت میسر کرتا ہے جب کہ آفتاب
اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے
پہلے ہمارے لیے بنا دیا اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے اور اس
کام کے لحاظ سے خدائے تعالیٰ رحمن کہلاتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ الرَّحِيمُ یعنی
وہ خدا نیک عملوں کی نیک نر جزا دیتا ہے اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اور
اس کام کے لحاظ سے رحیم کہلاتا ہے اور یہ صفت رحیمیت کے نام سے موسوم
اور پھر فرمایا ۙ اُولَئِكَ بِرُؤُوسِهِمُ الدِّینُ یعنی وہ خدا ہر ایک کی جزا اپنے ہاتھ میں
رکھتا ہے اسکا کوئی ایسا کارپرداز نہیں جسکو اُس نے زمین آسمان کی حکومت
سونپ دی ہو اور آپ الگ ہو بیٹھا ہو اور آپ کچھ نہ کرتا ہو وہی کارپرداز سب
کچھ جزا سزا دیتا ہو یا آئندہ دینے والا ہو اور پھر فرمایا اُولَئِكَ الْقُدُّوسُ
یعنی وہ خدا بادشاہ ہے جسپر کوئی مانع عجیب نہیں۔ یہ نظام ہے کہ انسانی طاقت
عینے خالی نہیں اگر مثلاً تمام رعیت جلاوطن ہو کر دوسرے ملک کی طرف بھاگ
جاوے تو پھر بادشاہی قائم نہیں رہ سکتی یا اگر مثلاً تمام رعیت قحط زدہ ہو جا
تو پھر خراج شاہی کہاں سے آئے اور اگر رعیت کے لوگ اُس سے سخت شرم
کر دیں کہ تجھ میں ہم سے زیادہ کیا ہے تو وہ کونسی لیاقت اپنی ثابت کرے پس
خدائے تعالیٰ کی بادشاہی ایسی نہیں ہے وہ ایک دم میں تمام ملک کو فنا
کر کے اور مخلوقات پیدا کر سکتا ہے اگر وہ ایسا خالق اور قادر نہ ہوتا تو پھر بجز
ظلم کے اس کی بادشاہت چل نہ سکتی کیونکہ وہ دنیا کو ایک مرتبہ معافی اور نجات
دیکر پھر دوسری دنیا کہاں سے لاتا کیا نجات یافتہ لوگوں کو دنیا میں بھیجنے کے

ایسے پھر کپڑا اور ظلم کی راہ سے اپنی نجات دہی کو واپس لیتا تو اس صورت میں
 اُس کی خدائی میں فرق آتا اور دنیا کے بادشاہوں کی طرح داغدار بادشاہ ہوتا جو دنیا
 کے ایسے قانون بناتے ہیں بات بات میں بگڑتے ہیں اور اپنی خود غرضی کے دقتوں پر
 جب دیکھتے ہیں کہ ظلم کے بغیر چارہ نہیں تو ظلم کو شیر مادر سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً قانون
 شاہی جائز رکھتا ہے کہ ایک جہاز کو بچانے کے لیے ایک کشتی کے ہوا روں کو تباہی
 میں ڈال دیا جائے اور ہلاک کیا جائے مگر خدا کو تو یہ اضطراب پیش نہیں آنا چاہیے
 پس اگر خدا یوں قادر اور عزم سے پیدا کر نہیو الا نہ ہوتا تو یا تو وہ کمزور راجوں کی
 طرح قدرت کی جگہ ظلم سے کام لیتا اور یا عادل بن کر خدائی ہی کو الوداع کہتا
 بلکہ خدا کا جہاز تمام قدرتوں کے ساتھ سچے انصاف پر چل رہا ہے۔ پھر فرمایا
 السَّالِمُ یعنی وہ خدا جو تمام عیبوں اور مصائب اور سختیوں سے محفوظ ہے بلکہ
 سلامتی دینے والا ہے اس کے معنی بھی ظاہر ہیں کیونکہ اگر وہ آپ ہی مصیبتوں
 میں پڑتا تو لوگوں کے ہاتھ سے مارا جاتا اور اپنے ارادوں میں ناکام رہتا تو پھر
 اس بدنامہ کو دیکھ کر کس طرح دل تسلی پکڑتے کہ ایسا خدا ہمیں ضرور مصیبتوں سے
 چھڑا دینگا چنانچہ اللہ تعالیٰ باطل معبودوں کے بارہ میں فرماتا ہر اَنَّا الَّذِیْنَ
 نَدْعُوْنَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذَبَابًا وَّلَوْ اَجْتَمَعُوْا عَلَیْہِ وَاِن
 یَّسْتَلْبِیْھِمْ الذَّبَابُ نَسْتَفِیْضُ مِنْھِمْ لَیْسَ لَھُمْ شَیْءٌ وَّھُمْ لَکَافُوْنَ الطَّالِبُ
 وَالْمَطْلُوْبُ مَا قَدَّرَ اللّٰهُ حَقَّ قَدْرَہٗ اِنَّ اللّٰھَ لَکَفُوْی عَزِیْزٌ
 الْحَزَنُ نمبر ۱۰ سورہ حج جن لوگوں کو تم خدا بنائے بیٹھے ہو وہ تو ایسے ہیں اگر سب
 ملکر ایک کبھی پیدا کرنا چاہیں تو کبھی پیدا نہ کر سکیں اگرچہ ایک دوسرے کی مدد بھی
 کریں بلکہ اگر کبھی انکی چیز چھین کر لیجائے تو انہیں طاقت نہیں ہوگی کہ وہ کبھی
 سے چیز واپس لے سکیں انکے پرستار عقل کے کمزور اور وہ طاقت کے کمزور

ہیں کیا خدا ایسے ہوا کرتے ہیں خدا تو وہ ہے کہ سب قوتوں والوں سے زیادہ
قوت والا اور سب پر غالب آئیے والا ہے نہ اسکو کوئی پکڑ سکے نہ مار سکے ایسی قوتوں
میں جو لوگ پڑتے ہیں وہ خدا کی قدر نہیں پہچانتے اور نہیں جانتے خدا کیسا ہوا
چاہیے اور پھر فرمایا کہ خدا امن کا بخشنے والا اور اپنے کمالات اور توحید پر لال
قائم کر نیوالا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچے خدا کا ماننے والا کسی مجلس
میں شرمندہ نہیں ہو سکتا اور نہ خدا کے سامنے شرمندہ ہوگا کیونکہ اس کے پاس
زبردست دلائل ہوتے ہیں لیکن بناوٹی خدا کا ماننے والا بڑی مصیبت میں ہوتا
ہے وہ بجائے دلائل بیان کرنے کے ہر ایک یہودہ بات کو راز میں دخل کرتا ہر
تاہنسی نہ ہوا در ثابت شرع غلطیوں کو چھپاتا جاتا ہے :

اور پھر فرمایا کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعْتَزُّ بِكَ وَ اَتَّکِلُ عَلَیْکَ بِعَیْنِیْ وَ سَبْکَ فِیْ
ہے اور سب پر غالب اور بگڑے ہوئے کاموں کا بنا نیوالا ہے اور اسکی ذات نہایت
ہی مستغنی ہے اور فرمایا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعْتَزُّ بِكَ وَ اَتَّکِلُ عَلَیْکَ بِعَیْنِیْ وَ سَبْکَ فِیْ
الحسنی یعنی وہ ایسا خدا ہے کہ جموں کا بھی پیدا کر نیوالا اور روحوں کا بھی
پیدا کر نیوالا رحم میں تصویر کھینچنے والا ہے تمام نیک نام جہا تک خیال میں
اسکیں سب اسی کے نام ہیں اور پھر فرمایا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعْتَزُّ بِكَ وَ اَتَّکِلُ عَلَیْکَ بِعَیْنِیْ وَ سَبْکَ فِیْ
وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ یعنی آسمان کے لوگ بھی اس کے نام کو پاکی سے یاد کرتے
ہیں اور زمین کے لوگ بھی۔ اس آیت میں اشارہ فرمایا کہ آسمانی اجرام میں بادی
ہے اور وہ لوگ بھی پابند خدا کی ہدایتوں کے ہیں اور پھر فرمایا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعْتَزُّ بِكَ وَ اَتَّکِلُ عَلَیْکَ بِعَیْنِیْ وَ سَبْکَ فِیْ
یعنی خدا بڑا قادر ہے یہ پرستاروں کے لئے تسلی ہے کیونکہ اگر خدا عاجز ہوا تو قادر
نہ ہوتا ایسے خدا سے کیا امید رکھیں اور پھر فرمایا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعْتَزُّ بِكَ وَ اَتَّکِلُ عَلَیْکَ بِعَیْنِیْ وَ سَبْکَ فِیْ
مَلَکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اَجِیْبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَا یعنی وہی خدا ہے

جو تمام عالموں کا پرورش کر نیوالا جن پریم اور جزا کے دن کا آپ مالک ہے اس اختیار کو کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا ہر ایک پکار کر نیوالے کی پکار کو سننے والا اور جواب دینے والا یعنی دعاؤں کا قبول کر نیوالا اور پھر فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ یعنی ہمیشہ بہتے والا اور تمام جانوں کی جان اور رب کے وجود کا سہارا یہ اس لئے کہ کما کہ وہ ازلی ابدی نہ ہو تو اس زندگی کے بارے میں بھی دھڑکار ہیگا کہ شاید ہم سے پہلے فوت نہ ہو جائے اور پھر فرمایا کہ وہ خدا اکیلا خدا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اُس کا بیٹا اور نہ کوئی اُس کے برابر اور نہ کوئی اُس کا ہمجنس ہے۔

اور یاد رہے کہ خدائے تعالیٰ کی توحید کو صحیح طور پر ماننا اور اس میں زیادت یا کمی نہ کرنا یہ وہ عدل ہے جو انسان اپنے مالک حقیقی کے حق میں بجالاتا ہے یہ تمام حصہ اخلاقی تعلیم کا ہے جو قرآن شریف کی تعلیم میں سے درج ہوا ہے اس میں اصول یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تمام اخلاق کو افراط اور تفريط سے بچایا ہے اور ہر ایک خلق کو اس حالت میں خلق کے نام سے موسوم کیا ہے کہ جب اپنی واقعی اور واجب حد تک پیش نہ آئے تو ظاہر ہے کہ یہ حقیقی وہی چیز ہے جو حدود کے وسط میں ہوتی ہے یعنی زیادتی اور کمی یا افراط اور تفريط کے درمیان ہوتی ہے ہر ایک عادت جو وسط کی طرف مچنے اور وسط پر قائم کرے وہی خلق فاضل کو پیدا کرتی ہے محل اور موقع کا پہچاننا ایک وسط ہے مثلاً اگر زمیندار اپنا تخم وقت سے پہلے بوسے یا وقت کے بعد دونوں صورتوں میں وہ وسط کو چھوڑتا ہے نیکی اور حق اور حکمت سب وسط میں ہے اور وسط موقعہ یعنی میں یا یوں سمجھ لو کہ حق وہ چیز ہے کہ ہمیشہ دو متقابل باطلوں کے وسط میں ہوتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ عین موقعہ کا التزام ہمیشہ انسان کو وسط میں رکھتا ہے اور خدا شناسی کے بارے میں وسط کی شناخت یہ ہے کہ خدا کی صفات بیان کرنے میں نہ تو نفی صفات کے پہلو کی طرف جھک جائے اور نہ خدا کو جسمانی

چیزوں کا مشابہ قرار دے یہی طریق قرآن شریف نے صفات باری تعالیٰ میں اختیار کیا ہے چنانچہ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ خدا سنتا جانتا بولتا کلام کرتا ہے اور پھر مخلوق کی مشابہت سے بچانے کے لیے یہ بھی فرماتا ہے لَیْسَ کَمِثْلِهِ شَیْءٌ فَلَا تَخْضِرْهُ خَوَارِیْثٌ ۚ اَلَا مَثَلٌ یَعْنِیْ خدائی ذات اور صفات میں کوئی اُس کا شریک نہیں اُس کے لیے مخلوق سے مثالیں مت دو سو خدا کی ذات کو تشبیہ اور تنزیہ کے بین بین رکھنا ہی وسط ہے غرض اسلام کی تعلیم میانہ روی کی تعلیم ہے سورہ فاتحہ بھی میانہ روی کی ہدایت فرماتی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے عَزَّوَجَلَّ اَلْمَغْضُوْبُ عَلَیْکُمْ وَکَلَّ الصَّابِرِیْنَ ۝ مَغْضُوْبٌ عَلَیْہِمْ سَہْ وَہُ لَوْ کَ مراد میں جو خدائے تعالیٰ کے مقابل پر قوت غصہ کی استعمال کر کے قویٰ سببہ کی پیروی کرتے ہیں اور ضالین سُنَّے مراد میں جو قویٰ ہیمہ کی پیروی کرتے ہیں اور میانہ طریق وہ ہے جسکو لفظ اَنْحَمَّتْ عَلَیْہِمْ سے یاد فرمایا ہے غرض اس مبارک اُمت کے لیے قرآن شریف میں ط کی ہدایت ہے تو ریت میں خدائے تعالیٰ فی انتقامی امور پر زور دیا تھا اور انجیل میں عفو اور درگزر پر زور دیا تھا اور اس اُمت کو موقع شناسی اور وسط کی تعلیم ملی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَاکُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ۚ ہم نے تمکو وسط پر ٹھیل کر بنیوایا اور وسط کی تعلیم تمہیں دی سو مبارک وہ جو وسط پر چلتے ہیں خَیْرٌ اَلَا مُؤْمِرًا وَّسَطًا ۙ

تیسرا سوال یعنی یہ کہ روحانی حالتیں کیا ہیں۔ واضح ہے کہ ہم پہلے اس سے بیان کر چکے ہیں کہ بموجب ہدایت قرآن شریف کہ روحانی حالتوں کا منبع اور سرچشمہ نفس مطمئنہ ہے جو انسان کو با اخلاق ہو نیکی مرتبہ سے با خدا ہونیکے مرتبہ تک پہنچاتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ اُدْخِلِیْ اِلَی سِدْرَتِکَ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۚ فَادْخُلِیْ فِی عِبَادِیْ وَاَدْخُلِیْ

جَعَلَنِي حَمِيدًا یعنی اے نفسِ خدا کے ساتھ آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ
 وہ تجھ سے راضی اور تُو اُس سے راضی پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری
 بہشت کے اندر آ جا۔ اس جگہ بہتر ہے کہ ہم روحانی حالتوں کے بیان کر نیکے بیٹے اس کے
 کریمہ کی تفسیر کسی قدر توضیح سے بیان کریں پس یاد رکھنا چاہیے کہ اعلیٰ درجہ کی
 روحانی حالت انسان کی اس دنیوی زندگی میں یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ
 آرام پا جائے اور تمام اطمینان اور سرور اور لذت اس کی خدا میں ہی ہو جائے یہی
 وہ حالت ہے جسکو دوسرے لفظوں میں بہشتی زندگی کہا جاتا ہے اس حالت میں انسان
 اپنے کامل صدق اور صفا اور وفا کے بدلے میں ایک نقد بہشت پالیتا ہے اور دوسرے
 لوگوں کی بہشت موعودہ پر نظر ہوتی ہے اور یہ بہشت موجود ہے داخل ہوتا ہے
 اسی درجہ پر پہنچ کر انسان سمجھتا ہے کہ وہ عبادت جس کا بوجھ اسکے سر پر ڈالا گیا
 ہے درحقیقت وہی ایک ایسی غذا ہے جس سے اس کی روح نشوونما پاتی ہے اور
 جس پر اس کی روحانی زندگی کا بڑا بھاری مدار ہے اور اس کے نتیجہ کا حصول کسی دوسرے
 جہان پر موقوف نہیں ہے اسی مقام پر یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ وہ ساری
 ملائیں جو نفسِ لوامہ انسان کا اس کی ناپاک زندگی پر کرتا ہے اور کچھ بھی نیک
 خواہشوں کو اچھی طرح ابھار نہیں سکتا اور بُری خواہشوں سے حقیقی نفرت نہیں
 دلا سکتا اور نہ نیکی پر پھرنے کی پوری قدرت بخش سکتا ہے اُس پاک تحریک سے
 بدل جاتی ہیں جو نفسِ مطمئنہ کے نشوونما کا آغاز ہوتی ہے اور اس درجہ پر پہنچ کر
 وقت آ جاتا ہے کہ انسان پوری فلاح حاصل کرے اور اب تمام نفسانی جذبات
 خود بخود افسردہ ہونے لگتے ہیں اور روح پر ایک ایسی طاقت افزا ہوا چلنے لگتی ہے
 جس سے انسان پہلی کمزوریوں کو ندامت کی نظر سے دیکھتا ہے اس وقت انسانی
 مشیت پر ایک بھاری انقلاب آتا ہے اور عادات میں ایک تبدل عظیم پیدا ہوتا ہے

اور انسان اپنی پہلی حالتوں سے بہت ہی دور جا پڑتا ہے دھویا جاتا ہے اور صاف
کیا جاتا ہے اور خدا نیکی کی محبت کو اپنے ہاتھ سے اسکے دل میں لکھ دیتا ہے اور بڑی کا
گنہگار اپنے ہاتھ سے اس کے دل سے باہر پھینک دیتا ہے سچائی کی فوج سب کی سب
دل کے شہرستان میں آجاتی ہے اور فطرۃ کے تمام مرجوں پر راستبازی کا قبضہ ہو جاتا
ہے اور حق کی فتح ہوتی ہے اور باطل بھاگ جاتا ہے اور اپنے ہتھیار پھینک دیتا
ہے۔ اس شخص کے دل پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور ہر ایک قدم خدا کے زیر سایہ چلتا ہے
چنانچہ خدائے تعالیٰ آیات ذیل میں انہیں اذکیطوف ثنائی فرماتا ہے اُولَئِكَ كَتَبَ
فِي قُلُوبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَزَيَّنَّاهُ فِي قُلُوبِهِمُ
وَكُتْرَةً اِيْلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ اُولَئِكَ هُمُ
السَّائِدُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ
جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا یعنی
خدا نے مومنوں کے دل میں ایمان کو اپنے ہاتھ سے لکھ دیا ہے اور روح القدس کے
ساتھ انکی مدد کی اس نے اے مومنو! ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور اس کا حسن
و جمال تمہارے دل میں بٹھا دیا اور کفر اور بدکاری اور معصیت سے تمہارا دل کو
نفرت دیدی اور بری راہوں کا مکروہ ہونا تمہارے دل میں جما دیا یہ سب کچھ خدا
کے فضل اور رحمت سے ہوا حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل کب حق کے
مقابل ٹھہر سکتا تھا غرض یہ تمام اشارات اس روحانی حالت کی طرف ہیں جو تیسرے
درجہ پر انسان کو حاصل ہوتی ہے اور سچی مینائی انسان کو کبھی نہیں مل سکتی جب تک
یہ حالت اسکو حاصل نہ ہو اور یہ جو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ مینے ایمان ان کے دل
میں اپنے ہاتھ سے لکھا اور روح القدس سے انکی مدد کی یہ اس بات کی طرف اشارہ
ہے کہ انسان کو سچی طہارت اور پاکیزگی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک آسمانی مدد

اسکے شامل حال نہ ہو نفس لوامہ کے مرتبہ پر انسان کا یہ حال ہوتا ہے کہ بار بار
توبہ کرتا اور بار بار گرتا ہے بلکہ بسا اوقات اپنی صلاحیت سے ناامید ہو جاتا ہے
اور اپنے مرض کو ناقابل علاج سمجھ لیتا ہے اور ایک مدت تک ایسا ہی رہتا ہے
اور پھر جب وقت مقدر پورا ہو جاتا ہے تو رات یا دن کو یک دفعہ ایک نور اس پر
نازل ہوتا ہے اور اس نور میں اتنی قوت ہوتی ہے اس نور کے نازل ہونیکے
ساتھ ہی ایک عجیب تبدیلی اسکے اندر پیدا ہو جاتی ہے اور غیبی ہاتھ کا ایک
قوی تصرف محسوس ہوتا ہے اور ایک عجیب عالم سامنے آ جاتا ہے اسوقت انسان کو
پتہ لگتا ہے کہ خدا ہے اور آنکھوں میں وہ نور آ جاتا ہے جو پہلے نہیں تھا لیکن
اس راہ کو کیونکر حاصل کریں اور اس روشنی کو کیونکر پاویں۔ سو جانا چاہیے
کہ اس دنیا میں جو دارالاسباب ہے ہر ایک معلول کے لیے ایک علت ہے اور
ہر ایک حرکت کے لیے ایک محرک ہے اور ہر ایک علم حاصل کرنیکے لیے ایک راہ ہے
جسکو صراط مستقیم کہتے ہیں دنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو بغیر پابندی
ان قواعد کے مل سکے جو قدرت نے ابتداء سے اسکے لیے مقرر رکھے ہیں قانون
قدرت بتلا رہا ہے کہ ہر ایک چیز کے حصول کے لیے ایک صراط مستقیم ہے اور
اسکا حصول اسی پر قدرتاً موقوف ہے مثلاً اگر ہم ایک اندھیری کوٹھڑی میں
بیٹھے ہوں اور آفتاب کی روشنی کی ضرورت ہو تو ہمارے لیے یہ صراط مستقیم
ہے کہ ہم اس کھڑکی کو کھول دیں جو آفتاب کی طرف ہے تب یک دفعہ آفتاب کی روشنی
اندر آ کر ہمیں منور کر دے گی سو ظاہر ہے کہ اسی طرح خدا کے سچے اور واقعی
فیوض پانیکے لیے بھی کوئی کھڑکی اور پاک روحانیت کے حاصل کرنے کیلئے
کوئی خاص طریق ہو گا اور وہ یہ ہے کہ روحانی امور کے لیے صراط مستقیم کی
تلاش کریں جیسا کہ ہم اپنی زندگی کے تمام امور میں اپنی کامیابیوں کے لیے

صراطِ مستقیم کی تلاش کرتے رہتے ہیں مگر کیا وہ یہ طریق ہے کہ ہم صرف اپنی عقل کے زور سے اور اپنی ہی خود تراشیدہ باتوں سے خدا کے دصال کو ڈھونڈیں کیا محض ہماری ہی اپنی منطق اور فلسفہ سے اسکے وہ دروازے ہم پر کھلتے ہیں جن کا کھلنا اُس کے قوی ہاتھ پر موقوف ہے یقیناً سمجھو کہ یہ بالکل صحیح نہیں ہے ہم اُس حیثیت پر قائم کو محض اپنی ہی تدبیروں سے ہرگز نہیں پاسکتے بلکہ اس راہ میں ہمارا مستقیم صرف یہ ہے کہ پہلے ہم اپنی زندگی میں اپنی تمام قوتوں کے خدائے تعالیٰ کی راہ میں وقفہ کر کے پھر خدا کے وصال کے لیے دعائیں لگے رہیں تا خدا کو خدا ہی کے ذریعہ سے پاویں اور سب سے زیادہ پیاری دعا جو عین محل اور موقع سوال کا ہیں دکھاتی ہے اور فطرت کے روحانی جوش کا نقشہ ہمارے سامنے رکھتی ہے وہ دعا جو خدائے کریم نے اپنی پاک کتاب قرآن شریف میں یعنی سورہ فاتحہ میں ہمیں سکھائی ہے اور وہ یہ ہے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ تمام پاک تعریفیں جو ہو سکتی ہیں اُس اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پیدا کر نیوالا اور قائم رکھنے والا ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وہی خدا جو ہمارے اعمال سے پہلے ہمارے لیے رحمت کا سامان میسر کر نیوالا ہے اور ہمارے اعمال کے بعد رحمت کے ساتھ جزا دینے والا ہے فَلِیْسَ یَوْمَ الدِّیْنِ وہ خدا جو جزا کے دن کا وہی ایک مالک ہے کسی اور کو وہ دن نہیں سونپا گیا اِنَّكَ تَعْبُدُ دِرَیَاكَ تَسْتَعِیْنُ لَے وہ جو ان تعریفوں کا جامع ہے ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور ہم ہر ایک کام میں توفیق تجھ ہی سے چاہتے ہیں اسبجگہ ہم کے لفظ سے پرستش کا اقرار کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمارے تمام قوی تیری پرستش میں لگے ہوئے ہیں اور تیری آیت پر جھکے ہوئے ہیں کیونکہ انسان باعتبار اپنے اندرونی قوی کے ایک جماعت اور ایک امت ہے اور اس طرح ہر تمام قوی کا خدا کو سجدہ کرنا یہی وہ حالت ہے جسکو اسلام

کہتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہمیں اپنی سیدھی راہ دکھا اور اس پر ثابت قدم کر کے اُن لوگوں کی راہ دکھلا جن پر تیرا انعام و اکرام ہے اور تیرے مورد فضل و کرم ہو گئے ہیں غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ اور ہمیں اُن لوگوں کی راہوں سے بچا جن پر تیرا غضب ہے اور جو تجھ تک نہیں پہنچ سکے اور راہ کو بھول گئے اَصِيْنَ اے خدا ایسا ہی یہ آیات سمجھا رہی ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے انعامات جو وہ سر لفظوں میں فیوض کہلاتے ہیں انہی پر نازل ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کی غذا کی راہ میں قربانی دیکر اور اپنا تمام وجود اس کی راہ میں وقف کر کے اور اس کی رضا میں محو ہو کر پھر اس وجہ سے دعائیں لگے رہتے ہیں کہ تاجو کچھ انسان کو روحانی نعمتوں اور خدا کے قرب اور وصال اور اس کے مکالمات اور غلطیوں میں سے مل سکتا ہے وہ سب انکو ملے اور اس دعا کے ساتھ اپنے تمام قومی سے عبادت بجالاتے ہیں اور گناہ سے پرہیز کرتے اور آستانہ الہی پر پڑے رہتے ہیں اور جہاں تک انکے لیے ممکن ہے اپنے تئیں بدی سے بچاتے ہیں اور غضب الہی کی راہوں سے دور رہتے ہیں سو چونکہ وہ ایک اعلیٰ ہمت اور صدق کے ساتھ خدا کو ڈھونڈتے ہیں اس لیے اسکو پالیتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کی پاک معرفت کے پیالوں سے میراب کیے جاتے ہیں۔ اس آیت میں جو استقامت کا ذکر فرمایا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچا اور کامل فیض جو روحانی عالم تک پہنچاتا ہے کامل استقامت سے وابستہ ہے اور کامل استقامت سے مراد ایک ایسی حالت صدق و وفا ہے جس کو کوئی امتحان ضرر نہ پہنچا سکے یعنی ایسا پیوند ہو جسکو نہ تلوار کاٹ سکے نہ آگ جلا سکے اور نہ کوئی دوسری آفت نقصان پہنچا سکے عزیزوں کی موتیں اس سے علیحدہ نہ کر سکیں پیاروں کی جدائی اس میں خلل انداز نہ ہو سکے بے آبروئی کا خوف کچھ رعب نہ ڈال سکے ہلواک

دکھوں سے مارا جانا ایک ذرہ دلو نہ ڈرا سکے سو یہ دروازہ بہت تنگ ہے اور یہ راہ نہایت دشوار گزار ہے کس قدر مشکل ہے آہ صد آہ اسی کی طرف اللہ جل جلالہ ان آیات میں اشارہ فرماتا ہے قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَاجِبَاؤُكُمْ وَآزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنََهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَدِينِهِمْ قَاتِلُوا أَحْشَاءَهُمْ يَأْتِي اللَّهُ بِمِصْرَةٍ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ یعنی انکو کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہاری برادری اور تمہارے وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں اور تمہاری سوداگری جس کے بند ہونے کا تمہیں خوف ہے اور تمہاری جو لیاں جو تمہارے دلپست ہیں خدا ہی اور اُس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں اپنی جانوں کو لڑانے سے زیادہ پیار ہیں تو تم اس وقت تک منتظر رہو کہ جنتک خدا اپنا حکم ظاہر کرے اور خدا پرکاروں کو کبھی اپنی راہ نہیں دکھائے گا ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا کی مرضی کو چھوڑ کر اپنے عزیزوں اور اپنے مالوں سے پیار کرتے ہیں وہ خدا کی نظر میں بدکار ہیں وہ ضرور ہلاک ہوں گے کیونکہ انہوں نے غیر کو خدا پر مقدم رکھا یہی وہ ٹیسرا مرتبہ ہے جس میں وہ شخص با خدا بنتا ہے جو اُس کے لیے ہزاروں بلائیں خریدے اور خدا کی طرف ایسے صدق اور اخلاص سے جھک جائے کہ خدا کے سوا کوئی اُس کا نہ رہے گو یا سب مر گئے پس سچ تو یہ ہے کہ جنتک ہم خود نہ مریں زندہ خدا نظر نہیں آسکتا خدا کے ظہور کا دن وہی ہوتا ہے کہ جب ہماری جسمانی زندگی پر موت آوے ہم اندھے ہیں جنتک غیر کے دیکھنے سے اندھے نہ ہو جائیں ہم مردہ ہیں جنتک خدا کے ہاتھ میں مردہ کی طرح نہ ہو جائیں جب ہمارا منہ ٹھیک ٹھیک اُس کے

محاذات میں پڑیگا تب وہ واقعی استقامت جو تمام نفسانی جذبات پر غالب آتی ہے ہمیں حاصل ہوگی اس سے پہلے نہیں اور یہی وہ استقامت ہے جس سے نفسانی زندگی پر موت آجاتی ہے ہماری استقامت یہ ہے کہ جیسا کہ وہ فرماتا ہے کہ
 بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ يَعْنِي يَكُ قَرَابَانِي كِي طَرَحَ مِيرَے آگے
 گردن رکھ دو ایسا ہی ہم اس وقت درجہ استقامت حاصل کریں گے کہ جب ہمارے وجود کے تمام پُرزے اور ہمارے نفس کی تمام قوتیں اسی کام میں لگ جائیں اور ہماری موت اور ہماری زندگی اسی کے لیے ہو جائے جیسا کہ وہ فرماتا ہے قُلْ إِنْ صَلَوَتِي وَكُفْرِي وَحَيَاتِي وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ یعنی کہ میری ناز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لیے ہے اور جب انسان کی محبت خدا کے ساتھ اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کا مرنا اور جینا اپنے لیے نہیں بلکہ خدا ہی کے لیے ہو جائے تب خدا جو ہمیشہ سے پیار کر نیوالوں کے ساتھ پیار کرتا آیا ہے اپنی محبت کو اُس پر اتارتا ہے اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے انسان کے اندر ایک نور پیدا ہوتا ہے جسکو دنیا نہیں پہچانتی اور نہ سمجھ سکتی ہے اور ہزاروں صدیقیوں اور ہرگز بدوں کا اسی لیے خون ہوتا کہ دنیا نے انکو نہیں پہچانا وہ اسی لیے مکار اور خود غرض کہلائے کہ دنیا انکے نورانی چہرہ کو دیکھ نہ سکی جیسا کہ فرماتا ہے يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ كَايِبٌ عَنْهُ يَعْنِي وہ جو منکر ہیں تیری طرف دیکھتے تو ہیں مگر تو نظر انہیں نہیں آتا غرض جب وہ نور پیدا ہوتا ہے تو اس نور کی پیدائش کے دن سے ایک زینتی شخص آسمانی ہو جاتا ہے وہ جو ہر ایک وجود کا مالک ہے اُس کے اندر بولتا ہے اور اپنی الوہیت کی چمکیں دکھلاتا ہے اور اس کے دل کو کہ جو پاک محبت سے بھرا ہوا ہے اپنا تخت گاہ بناتا ہے اور جب اس کے لیے شخص ایک نورانی تبدیلی پا کر ایک نیا آدمی ہو جاتا ہے وہ اسکے لیے ایک نیا خدا ہو جاتا ہے اور نئی حادثیں اور سنسنیں ظہور میں لاتا ہے یہ نہیں کہ وہ نیا خدا ہے یا

عادتیں نئی ہیں مگر خدا کی عام عادتوں سے وہ الگ عادتیں ہوتی ہیں جو دنیا کا فلسفہ اپنے
 آشنا نہیں اور یہ شخص جیسا کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے وَ مِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي
 نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَكْرِهَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ سَعْدُكَ بِالْعِبَادِہ یعنی انسانوں
 میں وہ اعلیٰ درجہ کے انسان ہیں جو خدا کی رضا میں کھوئے جاتے ہیں وہ اپنی جان بیچتے
 ہیں اور خدا کی مرضی کو مول لیتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہ خدا کی رحمت ہے ایسا ہی وہ
 شخص جو روحانی حالت کے مرتبہ تک پہنچ گیا ہے خدا کی راہ میں فدا ہو جاتا ہے خدا
 تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ تمام دکھوں سے وہ شخص نجات پاتا ہے جو میری راہ
 میں اور میری رضا کی راہ میں جان کو بیچ دیتا ہے اور جانفشی کے ساتھ اپنی اس حالت
 کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ خدا کا ہے اور اپنے تمام وجود کو ایک ایسی چیز سمجھتا ہے جو عطا
 خالق اور خدمت مخلوق کے لیے بنائی گئی ہے اور پھر حقیقی نیکیاں جو ہر ایک قوت سے
 متعلق ہیں ایسے شوق و ذوق و حضور دل سے بجاتا ہے کہ گویا وہ اپنی فرمانبرداری
 کے آئینہ میں اپنے محبوب حقیقی کو دیکھ رہا ہے اور ارادہ اس کا خدا تعالیٰ کے
 ارادہ سے ہم رنگ ہو جاتا ہے اور تمام عزت اس کی فرمانبرداری میں ٹھہر جاتی ہے تو کم
 اعمال صالحہ نہ شفقت کی راہ سے بلکہ تلذذ اور احتفاظ کی کشش سے ظاہر ہونے لگتے
 ہیں وہ نقد بہشت ہے جو روحانی انسان کو ملتا ہے اور وہ بہشت جو آئندہ ملیگا وہ
 درحقیقت اسی کی اظلال و آثار ہے جس کو دوسرے عالم میں قدرت خداوندی جسمانی
 طور پر پیش کر کے دکھائی گئی اسی کی طرف اشارہ ہے وَلَمَن حَافَ مَقَامَ رَبِّہ
 جَنَّاتٍ وَ سَقَاتٍ ہُمْ رُحَمَآءٌ شَرَّآبَا طَهُوْرًا اِنَّ الْاَبْرَارَ لَشَرُّوْنَ
 مِّنْ کَآئِسٍ کَانَ مِرًا جُھَا کَافٍ مِرًا عَلَيْنَا یَشْرِبُ بِہَا عِبَادُ اللّٰہِ
 یُفَجِّرُوْنَہَا تَفْجِیْرًا ہ یُسْقَوْنَ فِیْہَا کَآسًا کَانَ مِرًا جُھَا
 رُحْمَیْہِ لَا عَلَیْنَا فِیْہَا لُحْمٌ سَلْسِیْلًا اِنَّا اَعْتَدْنَا لَ الْکَافِرِیْنَ

سلسلہ و اخلاق و سعیراہ و من مکان فی ہذا اعمی ذہو
 فی الاخرۃ اعمی و افضل سبیل یعنی جو شخص خدا نے تعالیٰ سے خالص
 اور اُس کی عظمت و جلال کے مرتبہ سے ہر سال ہے اُس کے بیٹے دو بہشت ہیں
 ایک یہی دنیا اور دوسری آخرت اور ایسے لوگ جو خدا میں محو ہیں خدا نے انکو وہ شربت
 پلایا ہے جس سے انکے دل اور خیالات اور ارادات کو پاک کر دینا یک بندے وہ
 شربت پی رہے ہیں جس کی ملوثی کا فور ہے وہ اُس چشمہ سے پیتے ہیں جسکو وہ آپ
 ہی پیرتے ہیں اور میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ کافر کا لفظ اس واسطے اس آیت
 میں اختیار فرمایا گیا ہے کہ لغت عرب میں کفر دبا نیکو اور ڈھانکنے کو کہتے ہیں سو
 یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے ایسے خلوص سے انقطاع اور
 رجوع الی اللہ کا پیالہ پیسا ہے کہ دنیا کی محبت بالکل ٹھنڈی ہو گئی ہے یہ قاعدہ
 کی بات ہے کہ تمام جذبات دل کے خیال سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور جب
 دل بالاتق خیالات سے بہت ہی دور چلا جائے اور کچھ تعلقات اپنے باقی نہ
 رہیں تو وہ جذبات بھی آہستہ آہستہ کم ہونے لگتے ہیں یہاں تک کہ نابود ہو جاتا
 ہیں سو اس جگہ خدا نے تعالیٰ کی یہی غرض ہے اور وہ اس آیت میں ہی سمجھاتا
 ہے کہ جو اسکی طرف کامل طور سے جھک گئے وہ نفسانی جذبات سے بہت ہی دور
 نکل گئے ہیں اور ایسے خدا کی طرف جھک گئے کہ دنیا کی سرگرمیوں سے انکے
 دل ٹھنڈے ہو گئے اور انکے جذبات ایسے دب گئے جیسا کہ کافر نہریلے مادوں کے
 دبا دیتا ہے اور پھر فرمایا کہ وہ لوگ اس کا فوری پیالہ کے بعد وہ پیالے پیتے ہیں
 جنکی ملوثی زنجبیل ہے اب جاننا چاہیے کہ زنجبیل دو لفظوں سے مرکب ہے
 یعنی ز نام اور جہل سے اور ز نام لغت عرب میں اوپر چڑھنے کو کہتے ہیں
 اور جہل پہاڑ کو اسکے ترکیبی معنی یہ ہیں کہ پہاڑ پر چڑھ گیا اب جاننا چاہیے کہ

انسان پر ایک زہریلی بیماری کے فرو ہونے کے بعد اعلیٰ درجہ کی صحت تک دو حالتیں آتی ہیں ایک وہ حالت جبکہ زہریلے مواد کا جوش بجلی جانا رہتا ہے اور خطرناک دوا کا جوش رو باصلاح ہو جاتا ہے اور دوسری کیفیات کا حملہ بخیر و عافیت گزر جاتا ہے اور ایک مملک طوفان جو اٹھا تھا نیچے دب جاتا ہے لیکن ہنوز اعضا میں کمزوری باقی ہوتی ہے کوئی طاقت کا کام نہیں ہو سکتا ابھی مردہ کی طرح افتان و خیزان چلتا ہے اور دوسری وہ حالت ہے کہ جب اصلی صحت عود کر آتی اور بدن میں طاقت بھر جاتی ہے اور قوت کے بحال ہونے سے یہ حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ بلا تکلف پہاڑ کے اوپر چڑھ جائے اور نشا ط خاطر سے اونچی گھاٹیوں پر دوڑنا چلا جائے سو سلوک کے تیسرے مرتبہ میں یہ حالت میسر آتی ہے ایسی حالت کی نسبت اللہ تعالیٰ آیت موصوفہ میں اشارہ فرماتا ہے کہ انتہائی درجہ کے باخدا لوگ وہ پیالے پیتے ہیں جن میں زنجبیل ملی ہوئی ہے یعنی وہ روحانی حالت کی پوری قوت پا کر بڑی بڑی گھاٹیوں پر چڑھ جاتے ہیں اور بڑے مشکل کام انکے ہاتھ سے انجام پذیر ہوتے ہیں اور خدا کی راہ میں حیرتناک جانفشانیاں دکھلاتے ہیں *

اسجگہ یہ بھی واضح رہے کہ علم طب کی رو سے زنجبیل وہ دوا ہے جس کو ہندی میں سوٹھ کہتے ہیں وہ حرارت غریزی کو بہت قوت دیتی ہے اور دستوں کو بند کرتی ہے اور اس کا زنجبیل اسبواسطے نام رکھا گیا ہے کہ گویا وہ کمزور کو ایسا قوی کرتی ہے اور ایسی گرمی پہنچاتی ہے جس سے وہ پہاڑوں پر چڑھ سکے ان متقابل آیتوں کے پیش کرنے سے جنہیں ایک جگہ کا فور کا ذکر ہے اور ایک جگہ زنجبیل کا۔ خدائے تعالیٰ کی یہ غرض ہے کہ تاپنے مندوں کو سمجھائے کہ جب انسان جذبات نفسانی سے نیکی کی طرف حرکت کرتا ہے تو پہلے پہل اس حرکت کے بعد

یہ حالت پیدا ہوتی ہے کہ اسکے زیریہ مواد نیچے دباٹے جاتے ہیں اور نفسانی جذبات روک بھی ہونے لگتے ہیں جیسا کہ کافور زیریہ مواد کو دبا لیتا ہے اسی لیے وہ ہیضہ اور محرقتہ پیوں میں مفید ہے اور پھر جب زیریہ مواد کا جوش بالکل جاتا رہے اور ایک کمزور صحت جو ضعف کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے حاصل ہو جائے تو پھر دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف بیمار زنجبیل کے شربت سے قوت پاتا ہے اور زنجبیلی شربت خدائے تعالیٰ کے حسن و جمال کی تجلی ہے جو روح کی غذا ہے جب اس تجلی سے انسان قوت پکڑتا ہے تو پھر بلند اور اونچی گھاٹیوں پر چڑھنے کو لائق ہو جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ کی راہ میں ایسی حیرت ناک سختی کے کام دکھاتا ہے کہ جب تک یہ عاشقانہ گرمی کسی کے دل میں نہ ہو ہرگز ایسے کام دکھلا نہیں سکتا سو خدائے تعالیٰ نے اس جگہ ان دو حالتوں کے سمجھانے کے لیے عربی زبان کے دو لفظوں سے کام لیا ہے ایک کافور سے جو نیچے دبا دینا ہے کو کہتے ہیں اور دوسرے زنجبیل سے جو اوپر چڑھنے والے کو کہتے ہیں اور اس راہ میں بھی دو حالتیں سالکوں کے لیے واقعہ ہیں باقی حصہ کثرت کا یہ ہے اِنَّا اَعْتَدْنَا لَكَ كَفَرًا سَلْسَلًا وَاَعْلًا كَاوًا سَعِیْرًا یعنی ہم نے منکروں کے لیے جو سچائی کو قبول کرنا نہیں چاہتے زنجیریں طیار کر دی ہیں اور طوق گردن اور ایک افروختہ آگ کی سوزش۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ سچے دل سے خدائے تعالیٰ کو نہیں ڈھونڈتے انہیں خدا کی طرف سے رجعت پڑتی ہے وہ دنیا کی گرفتاریوں میں ایسے مبتلا رہتے ہیں کہ گویا یا زنجیر ہیں اور زمینی کاموں میں ایسے گونسا ہوتے ہیں کہ گویا انہی گردن میں ایک طوق ہے جو انکو آسمان کی طرف نہیں اٹھانے دیتا اور ان کے دلوں میں حرص و ہوا کی ایک سوزش لگی ہوئی ہوتی ہے کہ یہ مال حاصل ہو جائے اور یہ جائیداد مل جائے اور فلاں ملک ہمارے

قبضہ میں آجائے اور فلاں دشمن پر ہم فتح پاجائیں اس قدر روپیہ ہو اتنی دولت ہو سو چونکہ
خدا نے تعالیٰ انکو نالائق دیکھتا ہے اور بُرے کاموں میں مشغول پاتا ہے اس لیے
یہ تینوں بلائیں انکو لگا دیتا ہے اور اسجگہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب انسان
سے کوئی فعل صادر ہوتا ہے تو اسی کے مطابق خدا بھی اپنی طرف سے ایک فعل صادر
کرتا ہے مثلاً انسان جنسوت اپنی کوٹھڑی کے تمام دروازوں کو بند کر دے تو انسان کے
اس فعل کے بعد خدا نے تعالیٰ کا یہ فعل ہو گا کہ وہ اس کو ٹھہری میں اندھیرا پیدا کرے گا
کیونکہ جو امور خدا نے تعالیٰ کے قانون قدرت میں ہمارے کاموں کے لیے بطور ایک نتیجہ لازمی
کے مقرر ہو چکے ہیں وہ سب خدا نے تعالیٰ کے فعل ہیں وجہ یہ کہ وہی علت اسباب ہے
ایسا ہی اگر مثلاً کوئی شخص زہر قاتل کھلے تو اسکے اس فعل کے بعد خدا نے تعالیٰ کا یہ فعل
صادر ہو گا کہ اسے ہلاک کر دیگا ایسا ہی اگر کوئی ایسا بیجا فعل کرے جو کسی متعدی
بیماری کا موجب ہو تو اس کے اس فعل کے بعد خدا نے تعالیٰ کا یہ فعل ہو گا کہ وہ متعدی
بیماری اسکو پکڑ لے گی۔ پس طرح ہماری دنیوی زندگی میں صریح نظر آتا ہے کہ ہمارے
ہر ایک فعل کے لیے ایک ضروری نتیجہ ہے اور وہ نتیجہ خدا نے تعالیٰ کا فعل ہے ایسا
ہی دین کے متعلق بھی یہی قانون ہے جیسا کہ خدا نے تعالیٰ ان دو مثالوں میں صاف
فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوا فَاٰمَنَّا لَهُمْ لَتَهْدِيَهُمْ رَبُّهُمْ سُبُلَنَا۔ فَلَمَّا ذَاَعَوْا
اَرَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْۙ یَعْنٰی جولوگ اس فعل کو بجالائے کہ انہوں نے خدا نے تعالیٰ
کی جستجو میں پوری پوری کوشش کی تو اس فعل کے لیے لازمی طور پر ہمارا فعل ہو گا کہ ہم
انکو اپنی راہ دکھا دیں گے اور جن لوگوں نے کبھی اختیار کی اور سیدھی راہ پر چلنا نہ چاہا
تو ہمارا فعل انکی نسبت ہو گا کہ ہم انکے دلوں کو کج کر دیں گے اور پھر اس حالت کو زیادہ
توضیح دینے کے لیے فرمایا مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِیْۤہٗ اَخْلٰی فَاٰخِرَتُوْہِیْۤہٗ اَعْمٰی
وَ اَصْلُ سَبِیْلًا یعنی جو شخص اس جہان میں اندھار بادہ آئیو لے جہان میں

بھی اندھا ہی ہوگا بلکہ اندھوں سے بدتر یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کیا بندو کو خدا کا دیدار اسی جہان میں ہو جاتا ہے اور وہ اسی جگہ میں اپنے اس پیارے کا دشن پالیتے ہیں جس کے لئے وہ سب کچھ کھونے میں غرض مفہوم اس آیت کا یہی ہے کہ بہشتی زندگی کی بنیاد اسی جہان سے پڑتی ہے اور جہنمی نابینائی کی جڑ بھی اسی جہان کی گندہ اور کورانہ زریست ہے اور پھر فرمایا وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ یعنی جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل بجالاتے ہیں وہ ان باغوں کے وارث ہیں جن کو نیچے نہیں بہ رہی ہیں اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے ایمان کو باغ کے ساتھ مشابہت دی جس کے نیچے نہیں بہتی ہیں پس واضح رہے کہ اس جگہ ایک اعلیٰ درجہ کی فلاسفی کے رنگ میں بتلایا گیا ہے کہ جو رشتہ نہروں کا باغ کے ساتھ ہے وہی رشتہ اعمال کا ایمان کے ساتھ ہے پس جیسا کہ کوئی باغ بغیر پانی کے سرسبز نہیں ہو سکتا ایسا ہی کوئی ایمان بغیر نیک کاموں کے زندہ ایمان نہیں کہلا سکتا اگر ایمان ہو اور اعمال نہ ہوں تو وہ ایمان ہیچ ہے اور اگر اعمال ہوں اور ایمان نہ ہو تو وہ اعمال ریاکاری ہیں اسلامی بہشت کی یہ حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان اور عمل کا ایک نفل ہے وہ کوئی نئی چیز نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملیگی بلکہ انسان کی بہشت انسان کے اندر ہی سے نکلتی ہے اور ہر ایک کی بہشت اسی کا ایمان اور اسی کے اعمال صالحہ ہیں جن کی اسی دنیا میں لذت شروع ہو جاتی ہے اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ نظر آتے ہیں اور نہریں بھی کھائی دیتی ہیں لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہونگے خدا کی پاک تعلیم ہمیں یہی بتلاتی ہے کہ سچا اور پاک اور مستحکم اور کامل ایمان جو خدا اور اس کے ارادوں کے متعلق ہو وہ بہشت خوشنما اور بار در درخت ہے اور اعمال صالحہ

اس بہشت کی نہریں ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے **صَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا کَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ حِينٍ** یعنی وہ ایمانی کلمہ جو ہر ایک افراط و تفریط اور نقص اور خلل اور کذب اور ہزل سے پاک اور من کل الوجوہ کامل ہو اُس درخت کے ساتھ مشابہ ہے جو ہر ایک غیب سے پاک ہو جسکی جڑ طہ زین میں قائم اور شاخیں آسمان میں ہوں اور اپنے پھل کو ہمیشہ دیتا ہو اور کوئی وقت اُس پر نہیں آتا کہ اسکی شاخوں میں پھل نہ ہوں۔ اس میان میں خدائے تعالیٰ نے ایمانی کلمہ کو ہمیشہ پھلدار درخت سے مشابہت دیکر تین علامتیں اسکی بیان فرمائیں (۱) اول یہ کہ جڑ طہ اس کی جو اصل مفہوم سے مراد ہے انسان کے دل کی زمین میں ثابت ہو یعنی انسانی فطرت اور انسانی کائناتیں نے اسکی حقانیت اور اصلیت کو قبول کر لیا ہو (۲) دوسری علامت یہ کہ اس کلمہ کی شاخیں آسمان میں ہوں یعنی معقولیت اپنے ساتھ رکھتا ہو اور آسمانی قانون قدرت جو خدا کا فعل ہے اُس فعل کے مطابق ہو مطلب یہ کہ اس کی صحت اور اصلیت کے دلائل قانون قدرت سے مستنبط ہو سکتے ہوں اور نیز یہ کہ وہ دلائل ایسے اعلیٰ ہوں کہ گویا آسمان میں ہیں جن تک اعتراض کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا (۳) تیسری علامت یہ ہے کہ وہ پھل جو کھانے کے لائق ہے دائمی اور غیر منقطع ہو یعنی عملی مزاولت کے بعد اسکی برکات و ثمرات ہمیشہ اور ہر زمانہ میں مشہود اور محسوس ہوتی ہوں یہ نہیں کہ کسی خاص زمانہ تک ظاہر ہو کہ پھر آگے بند ہو جائیں اور پھر فرمایا **مَثَلُ کَلِمَةٍ خَيِّثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ** اَجْتَنَّبَتْ مِنْ فَوْقِ الْاَشْرَافِ مَا لَهَا مِنْ قِسَادٍ یعنی پلید کلمہ اس درخت کے ساتھ مشابہ ہے جو زمین میں اکھڑا ہوا ہو یعنی

فطرت انسانی اُسکو قبول نہیں کرتی اور کسی طور سے قرار نہیں پکڑتا نہ دلائل عقلیہ کے رو سے نہ قانون قدرت کی رو سے صرف قصہ اور کہانی کے رنگ میں ہوتا ہے اور جیسا کہ قرآن شریف نے عالم آخرت میں ایمان کے پاک درختوں کو انگور اور انار اور عمدہ عمدہ میوؤں سے مشابہت دی ہے اور بیان فرمایا ہے کہ اُس روز وہ اُن میوؤں کی صورت میں شمشل ہونگے اور دکھائی دیں گے ایسا ہی بے ایمانی کے ضمیمہ درخت کا نام عالم آخرت میں زقوم رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَذْكَىٰ حَيْرَةً لِّنَارٍ اَمْ شَجَرَةً اَلَّا تَرَ لَهَا فُتُوحًا اِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ سُرُوسٌ الشَّيْطَانِ اِنَّ شَجَرَةَ النَّارِ لَقُومٌ طَعَامٌ اَلَّا تَتِمُّوْا كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ كَغَلِي الْحَمِيمِ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ یعنی تم بتلاؤ گے بہشت کے باغ اچھے ہیں یا زقوم کا درخت جو ظالموں کے لیے ایک بلا ہے وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے یعنی تکبر اور خود بینی سے پیدا ہوتا ہے یہی دوزخ کی جڑ ہے اس کا شگوفہ ایسا ہے جیسا کہ شیطان کا شیطانی گے معنی ہیں ہلاک ہونے والا یہ لفظ شیط سے نکلا ہے پس حاصل کلام یہ کہ اسکا کھانا ہلاک ہونا ہے اور پھر فرمایا کہ زقوم کا درخت ان دوزخیوں کا کھانا ہے جو عہد گناہ کو اختیار کر لیتے ہیں وہ کھانا ایسا ہے جیسا کہ تابا گلا ہوا کھوتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں جوش مارنے والا پھر دوزخی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اس درخت کو کچھ تو عزت والا اور بزرگ ہے - یہ کلام نہایت غضب کا ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ اگر تو تکبر نہ کرتا اور اپنی بزرگی اور عزت کا پاس کر کے حق سے منہ نہ پھیرتا تو آج یہ تلخیاں تجھے اٹھانی نہ پڑتیں یہ آیت اس بات کی طرف بھی

اشارہ کرتی ہے کہ دراصل یہ لفظ زقوم کا ذوق اور آمد سے مرکب ہے اور آمد
 اِنَّكَ اَنْتَ الْغَنِيُّ الْكَرِيْمُ کا مختص ہے جس میں ایک حرف پہلے کا اور
 ایک حرف آخر کا موجود ہے اور کثرت استعمال نے ذال و ز کے ساتھ بدل دیا
 ہے اب حاصل کلام یہ ہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا کے ایمانی کلمات کو
 بہشت کے ساتھ مشابہت دی ہے ایسا ہی اسی دنیا کے بے ایمانی کے
 کلمات کو زقوم کے ساتھ مشابہت دی اور اسکو دوزخ کا درخت ٹھہرایا اور
 ظاہر فرمایا کہ بہشت اور دوزخ کی جڑھ اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے جیسا کہ
 دوزخ کے باب میں ایک اور جگہ فرماتا ہے نَارُ اللَّهِ اَمْوَقَدَتْ اِلَيْتِي
 تَطْلُعُ عَلٰى الْاَحْيَادِ - یعنی دوزخ وہ آگ ہے جو خدا کا غضب اسکا
 منبع ہے اور گناہ سے بھڑکتی ہے اور پہلے دل پر غالب ہوتی ہے یہ اس بات
 کی طرف اشارہ ہے کہ اس آگ کی اصل جڑھ وہ غم اور حسرتیں اور درد ہیں جو
 دل کو پکڑتے ہیں کیونکہ تمام روحانی عذاب پہلے دل سے ہی شروع ہوتے ہیں
 اور پھر تمام بدن پر محیط ہو جاتے ہیں اور پھر ایک جگہ فرمایا وَ تَوَدُّ هَا النَّاسُ
 وَ الْخَبْرَ اَنَّكَ - یعنی جہنم کی آگ کا ایندھن جس سے وہ آگ ہمیشہ افروز نہ
 رہتی ہے دو چیزیں ہیں ایک وہ انسان جو حقیقی خدا کو چھوڑ کر اور دوزخ و
 کی پریش کرتے ہیں یا انہی مرضی سے انہی پریش کیجاتی ہے جیسا کہ فرمایا
 اِنَّكُمْ دَوْمًا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ - یعنی
 تم اور تمھارے معبود باطل جو انسان ہو کہ خدا کہلاتے ہے جہنم میں ڈالے
 جائیں گے (۲) دوسرا ایندھن جہنم کا بت ہیں مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کا
 وجود نہ ہوتا تو جہنم بھی نہ ہوتا سو ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ خدا نے
 تعالیٰ کے پاک کلام میں بہشت اور دوزخ اس جہانی دنیا کی طرح نہیں

بلکہ ان دونوں کا مبدع اور منبع روحانی امور میں ہاں دو چیزیں دوسرے عالم
 میں جسمانی طور پر نظر آئیں گی مگر اس جسمانی عالم سے نہیں ہونگی :
 اب ہم پھر اصل مطلب کی طرف عود کر کے کہتے ہیں کہ خدا کے ساتھ روحانی
 اور کامل تعلق پیدا ہونیکا ذریعہ جو قرآن شریف نے ہمیں سکھلایا ہر اسلام
 اور دعائے فاتحہ ہے یعنی اول اپنی تمام زندگی خدا کی راہ میں وقف کر دینا
 اور پھر اس دعا میں لگے رہنا جو سورۃ فاتحہ میں مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے
 تمام اسلام کا مغربہ دونوں چیزیں ہیں اسلام اور دعائے فاتحہ دنیا میں
 خدا تک پہنچنے اور حقیقی نجات کا پانی پینے کے لیے یہی ایک اعلیٰ ذریعہ ہے
 بلکہ یہی ایک ذریعہ ہے جو قانون قدرت نے انسان کی اعلیٰ ترقی اور وصال الہی
 کے لیے مقرر کیا ہے اور وہی خدا کو پاتے ہیں کہ جو اسلام کے مفہوم کی روحانی
 آگ میں داخل ہوں اور دعائے فاتحہ میں لگے رہیں اسلام کیا چیز ہے
 وہی جلتی ہوئی آگ جو ہماری سفلی زندگی کو بھسم کر کے اور ہمارے باطل
 معبودوں کو جلا کر سچے اور پاک معبود کے آگے ہماری جان اور ہمارے مال
 اور ہماری آبرو کی قربانی پیش کرتی ہے ایسے چشمہ میں داخل ہو کر ہم ایک نئی
 زندگی کا پانی پیتے ہیں اور ہماری تمام روحانی قوتیں خدا سے یوں پیوند پڑتی
 ہیں جیسا کہ ایک رشتہ دوسرے رشتہ سے پیوند کیا جاتا ہے بجلی کی آگ کی
 طرح ایک آگ ہمارے اندر سے نکلتی ہے اور ایک آگ اوپر سے ہم پر تڑپتی
 ہے ان دونوں شعلوں کے ملنے سے ہماری تمام ہوا و ہوس اور غیر اللہ کی
 محبت بھسم ہو جاتی ہے اور ہم اپنی پہلی زندگی سے مر جاتے ہیں اس حالت کا
 نام قرآن شریف کے رو سے اسلام ہے اسلام سے ہمارے نفسانی جذبات کو
 موت آتی ہے اور پھر دعا سے ہم از سر نو زندہ ہوتے ہیں اس دوسری زندگی

کے لئے الہام الہی ہونا ضروری ہے اسی مرتبہ پر پہنچنے کا نام تقاء الہی ہے یعنی خدا کا دیدار اور خدا کا درشن۔ اس درجہ پر پہنچ کر انسان کو خدا سے وہ اتصال ہوتا ہے کہ گویا وہ اس کو آنکھ سے دیکھتا ہے اور قوت دیجاتی ہے اور اس کے تمام اس اور تمام اندرونی قوتیں روشن کیجاتی ہیں اور پاک زندگی کی کشش بڑی زور سے شروع ہو جاتی ہے اسی درجہ پر اگر خدا انسان کی آنکھ ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اور زبان ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ بولتا ہے اور ہاتھ ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ حملہ کرتا ہے اور کان ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ سنتا ہے اور پیر ہو جاتا ہے جس کے ساتھ وہ چلتا ہے اسی درجہ کی طرف اشارہ ہے جو خدا فرماتا ہے **يَدُ اللَّهِ فَوْقَ كُلِّ شَيْءٍ يَكِيدُ**۔ یہ اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے انکے ہاتھوں پر ہے اور ایسا ہی فرماتا ہے **وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ** سرخی یعنی جو تونے چلایا تو نے نہیں بلکہ خدا نے چلایا غرض اس درجہ پر خدا کے ساتھ کمال اتحاد ہو جاتا ہے اور خدا نے تعالیٰ کی پاک مرضی روح کے رنگ و ریشہ میں سرایت کر جاتی ہے اور اخلاقی طاقتیں جو کم درجہ میں اس درجہ میں محکم پہاڑوں کی طرح نظر آتی ہیں عقل اور فراست نہایت لطافت پر آجاتی ہے یہ معجزہ اس آیت کے ہیں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَأَيَّدْنَاهُمْ بِسُورَةٍ مِّنْهُ** اس مرتبہ میں محبت اور عشق کی نہریں ایسے طور سے جوش مارتی ہیں جو خدا کے لئے نماز و خدا کے لئے ہزاروں دکھ اٹھانا اور بے آبرو ہونا ایسا آسان ہو جاتا ہے کہ گویا ایک ہلکا سا تنکا توڑنا ہے خدا کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ کون کھینچ رہا ہے ایک غیبی ہاتھ اس کو اٹھائے پھرتا ہے اور خدا کی مرضیوں کو پورا کرنا اس کی زندگی کا اصل الاصول ٹھہر جاتا ہے اس مرتبہ میں خدا بہت ہی قریب دکھائی دیتا ہے جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے **مَنْ أَقْرَبُ إِلَيْكَ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ**

یعنی ہم اس سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ نر نزدیک ہیں ایسی حالت میں اس مرتبہ کا آدمی ایسا ہوتا ہے کہ جس طرح پھل پختہ ہو کر خود بخود درخت پر سے گر جاتا ہے اسی طرح اس مرتبہ کے آدمی کے تمام تعلقات سفلی کا لہدم ہو جاتے ہیں اسکا اپنے خدا سے ایک گہرا تعلق ہو جاتا ہے اور وہ مخلوق سے دور چلا جاتا اور خدا کے مرکامات اور مخاطبات سے شرف پاتا ہے اس مرتبہ کے حاصل کرنے کے لیے اب بھی دروازے کھلے ہیں جیسے کہ پہلے کھلے ہوئے تھے اور اب بھی خدا کا فضل یہ نعمت ڈھونڈنے والوں کو دیتا ہے جیسا کہ پہلے دیتا تھا مگر یہ راہ محض زبان کی فضولیوں کے ساتھ حاصل نہیں ہوتی اور فقط بے حقیقت باتوں اور لافوں سے یہ دروازہ نہیں کھلتا چاہنے والے بہت ہیں مگر پانیوالے کم اسکا کیا سبب ہی کہ یہ مرتبہ سچی سرگرمی سچی جانفشانی پر موقوف ہے باتیں قیامت تک کیا کر دیا ہو سکتا ہے صدق سے اس آگ پر قدم رکھنا جس کے خوف سے اور لوگ بھاگتے ہیں اس راہ کی پہلی شرط ہے اگر عمل سرگرمی نہیں تو لاف زنی بیچ ہے وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ اِجِيبْ دَعْوَةَ اللّٰهِ اِذَا دَعَاكَ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِيْ وَلَئِنْ مِّنْهُ لَعَلَّةٌ مِّنْهُمْ يَسْرِىْ شِدْدُوْنَ ہ ہ یعنی اگر میرے بندے میری نسبت سوال کریں کہ وہ کہاں ہے تو انکو کہہ کہ وہ تم سے بہت ہی قریب ہے میں دعا کر نیوالے کی دعا سنتا ہوں پس چاہیئے کہ وہ دعاؤں کو میرا اصل ڈھونڈیں اور مجھ پر ایمان لاویں تا کامیاب ہوویں :

موت کے بعد انسان کی کیا حالت ہوتی ہے ؟

سوال کے جواب میں یہ گزارش ہے کہ موت کے بعد جو کچھ انسان کی حالت ہوتی ہے درحقیقت وہ کوئی نئی حالت نہیں ہوتی بلکہ وہی دنیا کی زندگی کی حالتیں

زیادہ صفائی سے کھل جاتی ہے جو کچھ انسان کے عقائد اور اعمال کی کیفیت صالحہ یا غیر صالحہ ہوتی ہے وہ اس جہان میں مخفی طور پر اس کے اندر ہوتی ہے اور اس کا تریاق یا زہر ایت چھپی ہوئی تاثیر انسانی وجود پر ڈالتا ہے مگر انہو اسے جہان میں ایسا نہیں رہیگا بلکہ وہ تمام کیفیات کھلا کھلا اپنا چہرہ دکھلائیں گی اس کا نمونہ عالم خواب میں پایا جاتا ہے کہ انسان کے بدن پر جس قسم کے مواد غالب ہوتے ہیں عالم خواب میں اسی قسم کی جہانی حالتیں نظر آتی ہیں جب کوئی تیز تپ چڑھنے کو ہوتا ہے تو خواب میں اکثر لگ اور آگ کے شعلے نظر آتے ہیں اور تلخی تپوں اور ریزش اور زکام کے غلبہ میں انسان اپنے نٹیس پانی میں دیکھتا ہے غرض جطرح کی بیماریوں کے ایسے بدن نے طیاری کی ہو وہ کیفیتیں تمثیل کے طور پر خواب میں نظر آ جاتی ہیں۔ پس خواب کے سلسلہ پر غور کرنے سے ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ عالم ثانی میں بھی یہی سنت اللہ ہے کیونکہ جطرح خواب ہم میں ایک خاص تبدیلی پیدا کر کے روحانیات کو جسمانی طور پر تبدیل کر کے دکھلاتا ہے اُس عالم میں بھی یہی ہوگا اور اُس دن ہمارے اعمال اور اعمال کے نتائج جسمانی طور پر ظاہر ہونگے اور جو کچھ ہم اس عالم سے مخفی طور پر ساتھ لیجائیں گے وہ سب اُس دن ہمارے چہرہ پر نمودار نظر آئیگا اور جیسا کہ انسان جو کچھ خواب میں جطرح کے تمثلات دیکھتا ہے اور کبھی گمان نہیں کرتا کہ یہ تمثلات ہیں بلکہ انہیں واقعی چیزیں یقین کرتا ہے ایسا ہی اُس عالم میں ہوگا بلکہ خدا تمثلات کے ذریعہ سے اپنی نئی قدرت دکھائے گا چونکہ وہ قدرت کامل ہے پس اگر ہم تمثلات کا نام بھی نہیں اور یہ کہیں کہ وہ خدا کی قدرت سے ایک نئی پیدائش ہے تو یہ تقریر بہت درست اور واقعی اور صحیح ہے خدا فرماتا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مِّمَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ یعنی کوئی نفس نیکی کرنے والا نہیں جانتا

کہ وہ کیا کی نعمتیں ہیں جو اسکے لیے مخفی ہیں سو خدا نے ان تمام نعمتوں کو مخفی قرار دیا جن کا دنیا کی نعمتوں میں نمونہ نہیں یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا کی نعمتیں ہم پر مخفی نہیں ہیں اور دودھ اور آنا اور انگور وغیرہ کو ہم جانتے ہیں اور ہمیشہ یہ چیزیں کھاتے ہیں سو اس سے معلوم ہوا کہ وہ چیزیں اور ہیں اور ان کو ان چیزوں سے صرف نام کا اشتراک ہے پس جس نے بہشت کو دنیا کی چیزوں کا مجموعہ سمجھا اُس نے قرآن شریف کا ایک حرف بھی نہیں سمجھا اس آیت کی شرح میں جو ابھی بیان ذکر کی ہے ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بہشت اور اسکی نعمتیں وہ چیزیں ہیں جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ دلوں میں کبھی گذریں حالانکہ ہم دنیا کی نعمتوں کو آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں اور کانوں سے بھی سنتے ہیں اور دل میں بھی وہ نعمتیں گذرتی ہیں پس جبکہ خدا اور رسول اُس کا ان چیزوں کو ایک نرالی چیزیں بتلاتا ہے تو ہم قرآن سے دُور جا پڑتے ہیں اگر یہ گمان کریں کہ بہشت میں بھی دنیا کا ہی دودھ ہو گا جو گائیکوں اور بھینسوں سے دُور جاتا ہے گویا دودھ دینے والے جانوروں کے دہاں ریوڑ کے ریوڑ موجود ہوں گے اور درختوں پر شہد کی مکھیوں نے بہت سے چھتے لگائے ہوں گے اور فرشتے تلاش کر کے وہ شہد نکالیں گے اور نہروں میں ڈالیں گے کیا ایسے خیالات اس تعلیم سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں جس میں یہ آیتیں موجود ہیں کہ دنیا نے ان چیزوں کو کبھی نہیں دیکھا اور وہ چیزیں روح کو روشن کرتی ہیں اور خدا کی معرفت بڑھاتی ہیں اور روحانی غذا ہیں گو ان غذاؤں کا تمام نقشہ جسمانی رنگ پر ظاہر کیا گیا ہے مگر ساتھ ساتھ بتایا گیا ہے کہ انکا حشر یہ روح اور راستی ہے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت

بہشت میں دیکھا گیا ان نعمتوں کو دیکھ کر بہشتی لوگ ان کو ناشائستہ کہیں گے کہ یہی نعمتیں

سے یہ پایا جاتا ہے کہ جو نعمتیں ہمیں پہلے بھی ملی تھیں جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے
وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا
قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا بِئْسَ الَّذِي كُنْتُمْ
عَامِلِينَ ایمان لانیوالے اور اچھے کام کرنیوالے میں جن میں ذرہ فساد نہیں انکو خوشخبری ہے
کہ وہ اس بہشت کے وارث ہیں جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں جب وہ عالم آخرت
میں ان درختوں کے ان پھلوں میں سے جو دنیا کی زندگی میں ہی انکو مل چکے تھے
پائیں گے تو کہیں گے کہ یہ تو وہ پھل ہیں جو ہمیں پہلے ہی دیئے گئے تھے کیونکہ وہ
ان پھلوں کو ان پہلے پھلوں سے مشابہ پائیں گے۔ اب یہ گمان کہ پہلے پھلوں
سے مراد دنیا کی جسمانی نعمتیں ہیں بالکل غلطی ہے اور آیت کے بدیہی معنی اور اس کے
منطوق کے بالکل برخلاف ہے بلکہ اللہ جل شانہ اس آیت میں یہ فرماتا ہے کہ جو لوگ
ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیئے انہوں نے اپنے ہاتھ سے ایک بہشت بنایا ہے
جس کے درخت ایمان اور جسکی نہریں اعمال صالحہ ہیں اسی بہشت کا وہ آئندہ بھی
پھل کھائیں گے اور وہ پھل زیادہ نمایاں اور شیرین ہوگا۔ اور چونکہ وہ روحانی
طوبہ اسی پھل کو دنیا میں کھا چکے ہونگے اس لئے دوسری دنیا میں اس پھل کو پہچان
لیں گے اور کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل معلوم ہوتے ہیں کہ جو پہلے ہمارے کھانے
میں آچکے ہیں اور اس پھل کو اس پہلی خوراک سے مشابہ پائیں گے سو یہ آیت
صریح بتا رہی ہے کہ جو لوگ دنیا میں خدا کی محبت اور میرا کی غذا کھاتے تھے اب
جسمانی شکل پر وہی غذا انکو ملے گی اور چونکہ وہ پریت اور محبت کا مزہ چکھ چکے تھے
اور اس کیفیت سے آگاہ تھے اس لئے انکی روح کو وہ زمانہ یاد آجائے گا کہ
جب وہ گوشوں اور خلوتوں میں اور رات کے اندھیروں میں محبت کے ساتھ

اپنے محبوب حقیقی کو یاد کرتے اور اس یاد سے لذت اٹھاتے تھے۔ غرض اسجگہ جسمانی
غذاؤں کا کچھ ذکر نہیں اور اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ جبکہ روحانی طور پر
عارفوں کو یہ غذا دنیا میں مل چکی تھی تو پھر یہ کہنا کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی
نعمتیں ہیں کہ نہ دنیا میں کسی نے دیکھیں نہ سنیں اور نہ کسی کے دل میں گذریں۔ اور
اس صورت میں ان دونوں آیتوں میں تناقض پایا جاتا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ
تناقض اس صورت میں ہوتا کہ جب اس آیت میں دنیا کی نعمتیں مراد ہوتیں لیکن
جب اسجگہ دنیا کی نعمتیں مراد نہیں ہیں جو کچھ عارف کو معرفت کے رنگ میں ملتا ہے
وہ درحقیقت دوسرے جہان کی نعمت ہوتی ہے جس کا نمونہ شوق دلائی کے لئے
پہلے ہی دیا جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ باخدا آدمی دنیا میں سے نہیں ہوتا اس لئے
تو دنیا اس سے بغض رکھتی ہے بلکہ وہ آسمان سے ہوتا ہے اس لئے آسمانی نعمت
اسکو ملتی ہے دنیا کا آدمی دنیا کی نعمتیں پاتا ہے اور آسمان کا آسمانی نعمتیں حاصل
کرتا ہے سو یہ بالکل سچ ہے کہ وہ نعمتیں دنیا کے کانوں اور دنیا کے دلوں اور دنیا
کی آنکھوں سے چھپائی گئیں لیکن جسکی دنیوی زندگی پر موت آجائے اور وہ پیالہ
روحانی طور پر اسکو پلا یا جائے جو آگے جسمانی طور پر پیا جائے گا اسکو یہ پینا اسوقت
یاد آجائے گا جبکہ وہی پیالہ جسمانی طور پر اسکو دیا جائیگا لیکن یہ بھی سچ ہے کہ وہ
اس نعمت سے دنیا کی آنکھ اور کان وغیرہ کو بے خبر سمجھ گچھو کہ وہ دنیا میں تھا
اگرچہ دنیا میں سے نہیں تھا اس لئے وہ بھی گواہی دیگا کہ دنیا کی نعمتوں سے
وہ نعمت نہیں نہ دنیا میں اُس کی آنکھ نے ایسی نعمت دیکھی نہ کان نے سنی اور نہ
دل میں گذری۔ لیکن دوسری زندگی میں اسکے نمونے دیکھے جو دنیا میں سے نہیں تھے
بلکہ وہ آیتوں کے جہان کی ایکسچر فنی اور اُسی سے اُس کا رشتہ اور تعلق تھا دنیا سے
کچھ تعلق نہیں تھا اب قاعدہ کلی کے طور پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ موت کے

بعد جو حالتیں پیش آتی ہیں قرآن شریف نے انہیں تین قسم پر منقسم کیا ہے اور عالم معاد کے متعلق یہ تین قرآنی معارف ہیں جن کو ہم جدا جدا اس جگہ ذکر کرتے ہیں:

پہلا دقیقہ معرفت۔ اول یہ دقیقہ معرفت ہے کہ قرآن شریف باریا ہی فرماتا ہے کہ عالم آخرت کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ اسکے تمام نظائر اسی نبوی زندگی کے ظلال و آثار میں جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَكُلُّ اِنْسَانٍ اَلزَّمْنَانِ اَطْرَافُہِ فِیْ عُنُقِہِ وَنُخْرِجُہُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَمَةِ کِتَابًا یَتْلُقُہٗ مَسْتَوْسِرًا ۱۰ ہا یعنی ہم نے اسی دنیا میں ہر ایک شخص کے اعمال کا اثر اسکی گردن سے باندھ رکھا ہے اور انہیں پوشیدہ اثروں کو ہم قیامت کے دن ظاہر کرینگے اور ایک کھلے کھلے اعمال نامہ کی شکل پر دکھلاوینگے اس آیت میں جو طائر کا لفظ ہے تو واضح ہو کہ طائر وصل میں پرندہ کو کہتے ہیں پھر استعارہ کے طور پر اس سے مراد عمل بھی لیا گیا ہے کیونکہ ہر ایک عمل نیک ہو یا بد ہو وہ وقوع کے بعد پرندہ کی طرح پرواز کر جاتا ہے اور مشقت یا لذت اس کی کالعدم ہو جاتی ہے اور دل پر اس کی کثافت یا لطافت باقی رہ جاتی ہے یہ قرآنی اصول ہے کہ ہر ایک عمل پوشیدہ طور پر اپنے نقوش جمانا ہوتا ہے جس طور کا انسان کا فعل ہوتا ہے اس کے مناسب حال ایک خدائے تعالیٰ کا فعل صادر ہوتا ہے اور وہ فعل اس گناہ کو یا اس کی نیکی کو ضائع ہونے نہیں دیتا بلکہ اسکے نقوش و کپر منہ پر آنکھوں پر کانوں پر ہاتھوں پر پیروں پر لکھے جاتے ہیں اور یہی پوشیدہ طور پر ایک اعمال نامہ ہے جو دوسری زندگی میں کھلے طور پر ظاہر ہو جائے گا اور پھر ایک دوسری جگہ ہشتیوں کے بارے میں فرماتا ہے یَوْمَ تَرٰی الْمُوْمِنِیْنَ وَالْمُوْمِنٰتِ یَسْعٰی نُورُہُمْ بَیْنَ اَیْدِیْہُمْ وَبِاَیْمَانِہُمْ ۱۱ یعنی اُس دن بھی ایمانی نور جو

پوشیدہ طور پر مومنوں کو حاصل ہے کھلے کھلے طور پر انکے آگے اور انکے دہانے پر
 پر دوڑنا نظر آئے گا پھر ایک اور جگہ بدکاروں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے اَلْهٰکُمُ
 النَّارُ ثُمَّ سَخَّطٰی زُرَّ ثُمَّ الْمَقَابِرَ کَلَّا سَوَّیْتَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ کَلَّا
 سَوَّیْتَ تَعْلَمُوْنَ کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ لَکُنْتُمْ
 اَلْجَحِیْمَ ثُمَّ لَکُنْتُمْ اَعْیُنَ الْیَقِیْنِ ثُمَّ لَکُنْتُمْ یَوْمِئِذٍ
 عَنِ النَّعِیْمِ یعنی دنیا کی کثرت حرص و ہوائے تمہیں آخرت کی تلاش سے
 روک رکھا یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پڑے دنیا سے دل مت لگاؤ تم عنقریب
 جان لو گے کہ دنیا سے دل لگانا اچھا نہیں پھر میں کہتا ہوں کہ عنقریب تم جان
 لو گے کہ دنیا سے دل لگانا اچھا نہیں اگر تمہیں یقینی علم حاصل ہو تو تم دوزخ کو
 اسی دنیا میں دیکھ لو گے پھر برزخ کے عالم میں یقین کی آنکھوں کے ساتھ دیکھو گے
 پھر عالم حشر اجساد میں پورے مواخذہ میں آجاؤ گے اور وہ عذاب تم پر کامل طور پر
 وارد ہو جائیگا اور صرف قال سے نہیں بلکہ حال سے تمہیں دوزخ کا علم حاصل
 ہو جائے گا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ اسی جہان میں
 بدکاروں کے لیے جہنمی زندگی پوشیدہ طور پر ہوتی ہے اور اگر غور کریں تو اپنی
 دوزخ کو اسی دنیا میں دیکھ لیں گے اور اس جگہ اللہ تعالیٰ نے علم کو تین درجوں پر
 منقسم کیا ہے یعنی علم الیقین عین الیقین حق الیقین اور عالم کے سمجھنے کیلئے
 ان تینوں علموں کی یہ مثالیں ہیں کہ اگر مثلاً ایک شخص دُور سے کسی جگہ بہت سا
 دھواں دیکھے اور پھر دھوئیں سے ذہن منتقل ہو کر آگ کی طرف چلا جائے اور
 آگ کے وجود کا یقین کرے اور اس خیال سے کہ دھوئیں اور آگ میں ایک تعلق
 لاینفک اور ملازمت قائم ہے جہاں دھواں ہو گا ضرور ہے کہ آگ بھی ہو پس اس
 علم کا نام علم الیقین ہے اور پھر جب آگ کے شعلے دیکھے تو اس علم کا نام عین الیقین

ہے اور جب اس آگ میں آپ ہی داخل ہو جائے تو اس علم کا نام حق الیقین ہے۔
اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنہم کے وجود کا علم الیقین تو اسی دنیا میں ہو سکتا
ہے۔ پھر عالم برزخ میں عین الیقین حاصل ہوگا اور عالم شجر اجساد میں وہی علم
حق الیقین کے کامل مرتبہ تک پہنچے گا۔

اس جگہ واضح رہے کہ قرآنی تعلیم کی رو سے تین عالم ثابت ہوتے ہیں۔ اول
دنیا جس کا نام عالم کسب اور نشاء اولیٰ ہے اسی دنیا میں انسان اکتسابی
کایا بدی کا کرتا ہے اور اگرچہ عالم بعثت میں نیکوں کے واسطے ترقیات ہیں مگر
وہ محض خدا کے فضل سے ہیں انسان کے کسب کو ان میں دخل نہیں (۲)
اور دوسرے عالم کا نام برزخ ہے اصل میں لفظ برزخ تخت عرب میں اُس
چیز کو کہتے ہیں کہ جو دو چیزوں کے درمیان واقع ہو سو چونکہ یہ زمانہ عالم بعثت
اور عالم نشاء اولیٰ میں واقع ہے اس لیے اس کا نام برزخ ہے لیکن لفظ
قدیم سے اور جب سے کہ دنیا کی بنا پڑی عالم درمیانی پر بولا گیا ہے اس لیے
اس لفظ میں عالم درمیانی کے وجود پر ایک عظیم الشان شہادت مخفی ہے ہم
مِنْ السَّحَابِ میں ثابت کر چکے ہیں کہ عربی کے الفاظ وہ الفاظ
ہیں جو خدا کے منہ سے نکلے ہیں اور دنیا میں فقط یہی ایک زبان ہے جو خدائے
مقدس کی زبان اور قدیم اور تمام علوم کا سرچشمہ اور تمام زبانوں کی ماں اور
خدا کی وحی کا پہلا اور پچھلا تخت گاہ ہے۔ خدا کی وحی کا پہلا تخت گاہ اس لیے
کہ تمام عربی خدا کا کلام تھا جو قدیم سے خدا کے ساتھ تھا پھر وہی کلام دنیا
میں اُترا اور دنیا نے اُس سے اپنی بولیاں بنائیں آخری تخت گاہ خدا کا
اس لیے تخت عربی ٹھہری کہ آخری کتاب خدائے تعالیٰ جو قرآن شریف ہے
عربی میں نازل ہوئی سو برزخ عربی لفظ ہے جو مرکب ہے ذمّہ اور بوسہ جسکے

معنی یہ ہیں کہ طرین کسب اعمال ختم ہو گیا اور ایک مخفی حالت میں پڑ گیا۔
 برزخ کی حالت وہ حالت ہے کہ جب یہ ناپائدار ترکیب انسانی تفرق پذیر
 ہو جاتی ہے اور روح الگ اور جسم الگ ہو جاتا ہے اور جیسا کہ دیکھا گیا
 ہے جسم کسی گڑھے میں ڈال دیا جاتا ہے اور روح بھی ایک قسم کے گڑھے میں
 پڑتی جاتی ہے جسے لفظ برزخ کا دلالت کرتا ہے کیونکہ وہ افعال کسب خیر
 یا شر پر قادر نہیں ہو سکتی کہ جو جسم کے تعلقات سے اس سے صادر ہو سکتے
 تھے یہ تو ظاہر ہے کہ ہماری روح کی عمدہ صحت جسم پر موقوف ہے دماغ کے
 ایک خاص حصہ پر چوٹ لگنے سے حافظہ جانا رہتا ہے اور دوسرے حصہ پر
 آفت پہنچنے سے قوت متفکرہ رخصت ہوتی ہے اور تمام ہوش و حواس
 رخصت ہو جاتے ہیں اور دماغ میں اب کسی قسم کا تشخ ہو جائے یا درم پیدا
 ہو یا خون یا کوئی اور مادہ ٹھہر جائے اور کسی سدھ تمام یا غیر تمام کو پیدا کرے
 تو غشی یا مرگی یا سکتہ معالاجی حال ہو جاتا ہے پس ہمارا قدیم کا تجربہ ہمیں
 یقینی طور پر سکھاتا ہے کہ ہماری روح بغیر تعلق جسم کے بالکل نکلی ہے سو
 یہ بات بالکل باطل ہے کہ ہم ایسا خیال کریں کہ کسی وقت میں ہماری مجرد
 روح جسکے ساتھ جسم نہیں ہے کسی خوشحالی کو پاسکتی ہے اگر ہم قصہ کے
 طور پر اسکو قبول کریں تو کریں لیکن معقولی طور پر اسکے ساتھ کوئی دلیل
 نہیں ہم بالکل سمجھ نہیں سکتے کہ وہ ہماری روح جو جسم کے ادنیٰ ادنیٰ غفل کے
 وقت یککار ہو کر بیٹھ جاتی ہے اُس روز کیونکہ کامل حالت پر پہنچی جبکہ
 بالکل جسم کے تعلقات سے محروم کیجا نیکی کیا ہر روز ہمیں تجربہ نہیں سمجھاتا
 کہ روح کی صحت کے لیے جسم کی صحت ضروری ہے جب ایک شخص ہم میں سے
 پیر قوت ہو جاتا ہے تو ساتھ ہی اسکی روح بھی بوڑھی ہو جاتی ہے اسکا

تمام علمی سرمایہ بڑھا پے کا چور چر کرے جائے جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے لِكَيْلَا
يَجْعَلَ بَعْدَ عِلْمِهِ شَيْئًا یعنی انسان بڑھا ہو کر ایسی حالت تک پہنچ جاتا ہے کہ
پڑھ پڑھا کر پھر جاہل بن جاتا ہے پس ہمارا یہ مشاہدہ اس بات پر کافی دلیل ہے کہ روح
بغیر جسم کے کچھ چیز نہیں پھر یہ خیال بھی انسان کو حقیقی سچائی کی طرف توجہ دلاتا ہے
اگر روح بغیر جسم کے کچھ چیز ہوتی تو خدائے تعالیٰ کا یہ کام بخوٹھڑا کر اسکو خواہ مخواہ
جسم فانی سے جو نہ دیدیتا اور پھر یہ بھی سوچنے کے لائق ہے کہ خدائے تعالیٰ نے
انسان کو غیر متناہی ترقیات کے بیٹے پیدا کیا ہے پس جس حالت میں انسان اس
مختصر زندگی کی ترقیات کو بغیر رفاقت جسم کے حاصل نہیں کر سکا تو کیونکر امیدیں
کہ ان نامتناہی ترقیات کو جو ناپیدا کنار ہیں بغیر رفاقت جسم کے خود بخود حاصل کر لینگا
سوائے تمام دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ روح کے افعال کاملہ صادر ہونے کے
بیٹے اسلامی اصول کے روئے جسم کی رفاقت روح کے ساتھ دائمی ہے گو موت
کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہو جاتا ہے مگر عالم برزخ میں مستعار طور پر
ہر ایک روح کو کسی قدر اپنے اعمال کا ہر چکھنے کیلئے جسم ملتا ہے وہ جسم اس
جسم کی قسم میں سے نہیں ہوتا بلکہ ایک نور سے یا ایک تاریکی سے جیسا کہ اعمال
کی صورت ہو جسم طیار ہوتا ہے گو یا کہ اس عالم میں انسان کی عملی حالتیں جسم کا کام
دیتی ہیں ایسا ہی خدا کے کلام میں بار بار ذکر آیا ہے اور بعض جسم نورانی اور بعض ظلمانی
قرار دیئے ہیں جو اعمال کی روشنی یا اعمال کی ظلمت سے طیار ہوتے ہیں اگرچہ یہ راز
ایک نہایت دقیق راز ہے مگر غیر محقول نہیں انسان کامل اسی زندگی میں ایک نورانی
وجود اس کیفیت جسم کے علاوہ پاسکتا ہے اور عالم مکاشفات میں اسکی بہت مثالیں
ہیں۔ اگرچہ ایسے شخص کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے جو صرف ایک موٹی عقل کی حد تک
ہو اسے لیکن جو عالم مکاشفات میں سے کچھ حصہ ہے وہ اس قسم کے جسم کو جو اعمال

سے طیار ہوتا ہے تعجب اور استبعاد کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے بلکہ اس مضمون سے لذت اٹھائیں گے غرض یہ جسم جو اعمال کی کیفیت سے ملتا ہے یہی عالم برزخ میں نیک و بد کی جزا کا موجب ہو جاتا ہے میں اس میں صاحب تجربہ ہوں مجھے کشفی طور پر عین بیداری میں بارہا بعض مردوں کی ملاقات کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے بعض فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنے والوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھا ہے کہ گویا وہ دھوئیں سے بنایا گیا ہے غرض میں اس کو چہرے ذاتی واقفیت رکھتا ہوں اور میں زور سے کہتا ہوں کہ جیسا کہ خدا نے تعالیٰ نے فرمایا ہے ایسا ہی ضرور میرے بعد ہر ایک کو ایک جسم ہے خواہ ذرا نی خواہ ظلمانی انسان کی غلطی ہوگی اگر وہ ان نہایت باریک معارف کو صرف عقل کے ذریعہ سے ثابت کرنا چاہے بلکہ جاننا چاہیے کہ جیسا کہ آنکھ شہیر بن چیز کا مزہ نہیں بتلا سکتی اور نہ زبان کسی چیز کو دیکھ سکتی ہے ایسا ہی وہ علوم معاد جو پاک مکاشفات سے حاصل ہو سکتے ہیں صرف عقل کے ذریعہ سے انکا عقدہ حل نہیں ہو سکتا خدا نے اس دنیا میں مچھولات کے جاننے کے لیے علیحدہ علیحدہ وسائل رکھے ہیں پس ہر ایک چیز کو اس کے وسیلہ کے ذریعہ سے ڈھونڈو تب اسے پاؤ گے ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ خدا نے ان لوگوں کو جو بدکاری اور گمراہی میں پڑ گئے اپنے کلام میں مردہ کے نام سے موسوم کیا ہے اور نیکو کاروں کو زندہ قرار دیا ہے اس میں بھی بدیہ ہے کہ جو لوگ خدا سے غافل ہوئے انکی زندگی کے اسباب جو کھانا پینا اور شہوتوں کی پیروی تھی منقطع ہو گئے اور روحانی غذا سے انکو کچھ حصہ نہ تھا پس وہ درحقیقت مر گئے اور وہ صرف عذاب اٹھانے کے لیے زندہ ہونگے اسی بھید کی طرف اللہ جل شانہ نے اشارہ فرمایا ہے جیسا کہ کہتا ہے وَمَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجِرمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيٰی یعنی جو شخص مجرم بن کر خدا کے پاس آئے گا تو اُس کا ٹھکانا جہنم ہے وہ اس میں نہ مرے گا اور نہ زندہ ہوگا

مگر جو لوگ خدا کے محب ہیں وہ موت سے نہیں مرتے کیونکہ انکا پانی اور انکی روٹی
 انکے ساتھ ہوتی ہے پھر برزخ کے بعد وہ زمانہ ہے جس کا نام عالم بعثت ہے اس
 زمانہ میں ہر ایک روح نیک ہو یا بد صلح ہو یا فاسق ایک کھلا کھلا جسم حاصل کرے گی
 اور یہ دن خدا کی ان پوری تجلیات کے لیے مقرر کیا گیا ہے جس میں ہر ایک انسان
 اپنے رب کی ہستی کو طور پر دریافت ہو جائیگا اور ہر ایک شخص اپنے جزا کے انتہائی
 نقطہ تک پہنچے گا یہ تعجب نہیں کرنا چاہیے کہ خدا سے یہ کیونکر ہو سکے گا کیونکہ وہ
 ہر ایک قدرت کا مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے اَوَلَمْ
 يَسْأَلِ الْاِنْسَانَ اَنَا خَلَقْتَهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ
 وَصَّابٌ لِّمَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قُلْ مَنْ يُّحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ
 قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي اَنْشَأَ هَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ
 اَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقَادِرٍ عَلٰى اَنْ يَخْلُقَ
 مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ اَمَّا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا
 اَنْ يَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ فَيَسْمَحُ الَّذِي يَبْدِئُ مَا كُوْنَتْ تَكْتُمُ
 وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ یہ یعنی کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اسکو ایک قطرہ
 پانی سے پیدا کیا جو رحم میں ڈالا گیا تھا پھر وہ ایک جھگڑنے والا آدمی بن گیا ہمارے
 لیے باتیں بنانے لگا اور اپنی پیدائش بھول گیا اور کہنے لگا کہ یہ کیونکر ممکن ہے
 کہ جبکہ ہڈیاں بھی سلامت نہیں رہیں گی تو پھر انسان نے سرے زندہ ہوگا ایسی
 قدرت والا کون ہے جو اسکو زندہ کرے گا انکو کہہ ہی زندہ کرے گا سب سے پہلے اسکو پیدا کیا تھا اور وہ ہر ایک
 قسم سے اور ہر ایک راہ سے زندہ کرنا جانتا ہے اس کے حکم کی یہ شان ہے کہ جب
 کسی چیز کے ہونیکا ارادہ کرتا ہے تو صرف یہی کہتا ہے کہ ہو پس وہ چیز پیدا ہو جاتی
 ہے پس وہ ذات پاک ہے ہر ایک چیز پر بادشاہی ہے اور تم سب اسی کی طرف

رجوع کرو گے۔ سوان آیات میں اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے کہ خدا کے آگے کوئی چیز
انہونی نہیں جس نے ایک قطرہ حقیر سے انسان کو پیدا کیا کیا وہ دوسری مرتبہ پیدا
کرنے سے عاجز ہے :

ابھی ایک اور سوال ناواقفوں کی طرف سے ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ
جس حالت میں تیسرا عالم جو عالم بعثت ہے مدت دراز کے بعد آئینگا تو اس صورت
میں ہر ایک نیک و بد کے لئے عالم برزخ بطور حالات کے ہو جاوے گا اور عینت علوم
ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا سمجھنا سراسر غلطی ہے جو محض ناواقفی سے پیدا
ہوتی ہے بلکہ خدا کی کتاب میں نیک و بد کی جزا کے لئے دو مقام پائے جاتے
ہیں ایک عالم برزخ جس میں مخفی طور پر ہر ایک شخص اپنی جزا پائے گا برے لوگ
مر نیکیں بعد ہی جہنم میں داخل ہونگے نیک لوگ مر نیکیں بعد ہی جنت میں آرام
پائیں گے چنانچہ اس قسم کی آیتیں قرآن شریف میں بکثرت ہیں کہ بمجر موت کو ہر ایک
انسان اپنے اعمال کی جزا دیکھ لیتا ہے جیسا کہ خدا نے تعالیٰ ایک بہشتی کے بارے
میں خیر دیتا ہے اور فرماتا ہے قِيلَ اَدْخُلِ الْجَنَّةَ یعنی اسکو کہا گیا کہ تو
بہشت میں داخل ہو اور ایسا ہی ایک دوزخی کی خبر دیکر فرماتا ہے فَرَّارًا
فِي سَوَاءٍ الْجَحِيمِ یعنی ایک بہشتی کا ایک دوست دوزخی تھا جب وہ دوزخ
مر گئے تو بہشتی حیران تھا کہ میرا دوست کہاں ہے پس اسکو دکھلایا گیا کہ وہ جہنم
کے درمیان ہے سو جزا سزا کی کاروائی تو بلا توقف شروع ہو جاتی ہے اور دوزخی
دوزخ میں اور بہشتی بہشت میں جاتے ہیں مگر اسکے بعد ایک اور تجلی اعلیٰ کا
دن ہے جو خدا کی بڑی حکمت نے اس دن کے ظاہر کر بیکار تقاضا کیا ہے کیونکہ
اُس نے انسان کو پیدا کیا تا وہ اپنی خالقیت کے ساتھ شناخت کیا جائے اور پھر
وہ سب کو ہلاک کر بیچا تاکہ وہ اپنی قہاریت کے ساتھ شناخت کیا جائے اور پھر

ایک دن سب کو کامل زندگی بخش کر ایک میدان میں جمع کر لگا تاکہ وہ اپنی قدرت کے ساتھ پہچان جائے۔ اب جاننا چاہیے کہ دقائق مذکورہ میں سے یہ پہلا دقیقہ معرفت تھا جس کا بیان ہوا:

دوسرا دقیقہ معرفت - دوسرا دقیقہ معرفت جس کو عالم معاد متعلق قرآن شریف نے ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ عالم معاد میں وہ تمام امور جو دنیا میں روحانی تھے جسمانی طور پر متبدل ہوں گے خواہ عالم معاد میں ہرگز کا درجہ ہو یا عالم نبش کا درجہ اس بارے میں جو کچھ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے اس میں سے ایک یہ آیت ہے مَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيلًا یعنی جو شخص اس جہان میں اندھا ہو گا وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہو گا۔ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اس جہان کی روحانی نایبائی اس جہان میں جسمانی طور پر مشہود اور محسوس ہوگی ایسا ہی دوسری آیت میں فرماتا ہے خُذُوا زِينَتَكُمْ مَلَأُوا صُلُوبَكُمْ فِي سِلْسِلَةٍ ذُرِّعَتْ سَبْعُونَ دَرَجَةً اسکو جلاؤ پھر ایسی زنجیر میں جو پیمائش میں ستر گز ہے اسکو داخل کرو۔ جاننا چاہیے کہ ان آیات میں ظاہر فرمایا ہے کہ دنیا کا روحانی عذاب عالم معاد میں جسمانی طور پر نمودار ہو گا چنانچہ طوق گردن دنیا کی خواہشوں کا جس انسان کے سر کو زمین کی طرف جھکا رکھا تھا وہ عالم تانی میں ظاہری صورت پر نظر آجائے گا اور ایسا ہی دنیا کی گرفتاریوں کی زنجیر پیروں میں پڑی ہوئی دکھائی دیگی اور دنیا کی خواہشوں کی سوزشوں کی آگ ظاہر ظاہر بھڑکی ہوئی نظر آئے گی۔ فاسق انسان دنیا کی زندگی میں ہوا دھوس کا ایک جہنم اپنے اندر رکھتا ہے اور ناکامیوں میں اس جہنم کی سوزشوں کا احساس کرتا ہے پس جب کہ اپنی

فانی شہوات سے دُور ڈالا جائے گا اور ہمیشہ کی ناامیدری طاری ہوگی تو خدا تعالیٰ ان حسرتوں کو جہانی آگ کے طور پر اپنے ظاہر کی بجائے جیسا کہ وہ فرماتا ہے
وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ ۚ يَعْنِي اَنْ مِّنْ اَنْفُسٍ تَوَّابٍ
کی چیزوں میں جدائی ڈالی جائیگی اور یہی عذاب کی جڑ ہے اور پھر جو فرمایا کہ
سُتْرُكُمْ فِي النَّجْمِ مِثْلَ اسْكُودٍ اَخْلَ كَرُو بِهِ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک فاسق
بسا اوقات سُتْرِ بَرِّس کی عمر یا لیتا ہے بلکہ کئی دفعہ اس دنیا میں اسکو ایسے سُتْرِ
بَرِّس بھی ملتے ہیں کہ خورد سالی کی عمر اور پیر فروت ہو نیکی عمر لگ کر کے پھر
اسقدر رصاف اور فالص حصہ عمر کا اسکو ملتا ہے جو عقلمندی اور محنت اور کام
کے لائق ہوتا ہے لیکن وہ بد بخت اپنی عمرہ زندگی کے سُتْرِ بَرِّس دنیا کی گرفتاریوں
میں گزارتا ہے اور اس زنجیر سے آزاد ہونا نہیں چاہتا سو خدا نے تعالیٰ
اس آیت میں فرماتا ہے کہ وہی سُتْرِ بَرِّس جو اس نے گرفتاری دنیا میں گزار کر
تھے عالم معاد میں زنجیر کی طرح متمثل ہو جائیں گے جو سُتْرِ گَز کی ہوگی ہر ایک
گَز بجائے ایک سال کے ہے۔ اسجگہ یاد رکھنا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ اپنی
طرف سے بندہ پر کوئی مُصِیبت نہیں ڈالتا بلکہ وہ انسان کے اپنے بُرے
کام اسکے آگے رکھ دیتا ہے پھر اسی اپنی سُنَّت کے اظہار میں خدائے تعالیٰ
ایک اور جگہ فرماتا ہے اِنطَلِقُوا اِلَىٰ ظِلِّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ لَا
ظِلِّ لَیْلٍ وَلَا یَغْنِیْ مِنَ الشَّهَبِ یعنی بے بدکار و گمراہو سہ گوشہ
سایہ کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں جو سایہ کا کام نہیں دے سکتیں اور
نہ گرمی سے بچا سکتی ہیں اس آیت میں تین شاخوں سے مراد قوتِ سبعی اور
بہیمی اور وہی ہے جو لوگ ان تینوں قوتوں کو اخلاقی رنگ میں نہیں لاتے
اور انکی تبدیل نہیں کرتے انکی یہ قوتیں قیامت میں اس طرح پر نمودار

کیجاٹنگی کہ گویا میں شاخیں بغیر پتوں کے کھڑی ہیں اور گرمی سے بچا نہیں سکتیں
 اور وہ گرمی سے جلیں گے پھر ایسا ہی خدائے تعالیٰ اپنی اُسی سُنّت کے اظہار کے
 لئے بہشتیوں کے حق میں فرماتا ہے یَوْمَ تَسْرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
 یَسْعَى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَئْمَنَیْهِمْ یعنی اُس روز تو دیکھے گا
 کہ مومنوں کا یہ نور جو دنیا میں پوشیدہ طور پر ہے ظاہر ظاہر اُن کے آگے اور اُنکے
 دائیں طرف دوڑتا ہوگا۔ اور پھر ایک اور آیت میں فرماتا ہے یَوْمَ تَبْصُرُ
 وَجُوهًا وَتَسْوَدُّ وَجُوهٌ یعنی اُس دن بعض منہ سیاہ ہو جائیں گے اور
 بعض سفید اور نورانی ہو جائیں گے اور پھر ایک اور آیت میں فرماتا ہے مَثَلُ
 الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِیْهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَّاءٍ غَیْرِ آسِنٍ وَ
 أَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِ
 وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّیٍ یعنی وہ بہشت جو پر میز گاروں کو دیکھا جی
 اسکی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک باغ ہے اُس میں اُس پانی کی نہریں ہیں جو بھی
 متعفن نہیں ہوتا اور نیز اُس میں اُس دودھ کی نہریں جس کا کبھی مزہ نہیں لیتا
 اور نیز اُس میں شراب کی نہریں ہیں جو سر اسر سرور بخش ہے جس کے ساتھ غار
 نہیں اور نیز اس میں اس شہد کی نہریں ہیں جو نہایت صاف ہے جس کے ساتھ
 کوئی کثافت نہیں اِسجگہ صاف طور پر فرمایا کہ اس بہشت کو مثالی طور پر یوں سمجھو کہ
 ان تمام چیزوں کی اُس میں ناپید اکثر نہریں ہیں وہ زندگی کا پانی جو عارف دنیا
 میں روحانی طور پر پیتا ہے اُس میں ظاہری طور پر موجود ہے اور وہ روحانی دودھ
 جس سے وہ شیر خوار بچہ کی طرح روحانی طور پر دنیا میں پرورش پاتا ہے بہشت
 میں ظاہر ظاہر دکھائی دے گا اور وہ خدا کی محبت کی شراب جس سے وہ دنیا میں
 روحانی طور پر ہمیشہ مست رہتا تھا اب بہشت میں ظاہر ظاہر اسکی نہریں نظر آئیں گی

اور وہ حلاوت ایمانی کا شہد جو دنیا میں روحانی طور پر عارف کے منہ میں جاتا تھا وہ بہشت میں محسوس اور نمایاں نہروں کی طرح دکھائی دینگا اور ہر ایک بہشتی اپنی نہروں اور اپنے باغوں کے ساتھ اپنی روحانی حالت کا اندازہ برہنہ کر کے دکھلا دے گا اور خدا بھی اُس دن بہشتیوں کے ایسے حجابوں سے باہر آ جائیگا غرض روحانی حالتیں مخفی نہیں رہیں گی بلکہ جسمانی طور پر نظر آئیں گی :

تیسرا دقیقہ معرفت - تیسرا دقیقہ معرفت کا یہ ہے کہ عالم معاد میں ترقیات غیر متناہی ہوں گی اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَدُورُهُمْ يَسْعَىٰ يَتِينَ آيَةً فِيهِمْ وَبِأَيِّمَاءٍ يَحْمِلُهُمْ يَقْوُوا ذُنُوبَهُمْ لَنَا تَنْوِينًا وَاعْفُ عَنْهُمْ لَنَا عِلَّةٌ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** یعنی جو لوگ دنیا میں ایمان کا نور رکھتے ہیں انکا نور قیامت کو انکے آگے اور انکے داہنی طرف دوڑتا ہوگا وہ ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے کہ اے خدا ہمارے نور کو کمال تک پہنچا اور اپنی مغفرت کے اندر ہمیں لے لے تو ہر چیز پر قادر ہے اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے کہ ہمارے نور کو کمال تک پہنچا یہ ترقیات غیر متناہیہ کی طرف اشارہ ہے یعنی ایک کمال نورانیت کا انہیں حاصل ہوگا پھر دوسرا کمال نظر آئیگا اُسکو دیکھ کر پہلے کمال کو ناقص پائیں گے پس کمال ثانی کے حصول کے لیے التجا کریں گے اور جب وہ حاصل ہوگا تو ایک تیسرا مرتبہ کمال کا اپنے ظاہر ہوگا۔ پھر اُسکو دیکھ کر پہلے کمالات کو مانع سمجھیں گے اور اس کی خواہش کریں گے یہی ترقیات کی خواہش ہے جو **آئِسَمَ** کے لفظ سے سمجھی جاتی ہے :

غرض اسی طرح غیر متناہی سلسلہ ترقیات کا چلا جائیگا تنزل کبھی نہیں ہوگا اور نہ کبھی بہشت سے نکالی جائیں گے بلکہ ہر روز آگے بڑھیں گے اور پیچھے نہ ہٹیں گے اور یہ جو فرمایا کہ وہ ہمیشہ اپنی مغفرت چاہیں گے اسجگہ سوال یہ ہے کہ جب بہشت میں

داخل ہو گئے تو پھر مغفرت میں کیا کسر رہ گئی اور جب گناہ بخشے گئے تو پھر استغفار کی کوئی حاجت رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مغفرت کے اصل معنی یہ ہیں نا ظالم اور ناقص حالت کو نیچے دبانا اور ڈھالنا سو بہشتی اس بات کی خواہش کریں گے کہ کمال نام حاصل کریں اور سراسر نور میں غرق ہو جائیں وہ دوسری حالت کو دیکھ کر پہلی حالت کو ناقص پائیں گے پس چاہیں گے کہ پہلی حالت نیچے دبائی جائے پھر تیسرے کمال کو دیکھ کر یہ آرزو کریں گے کہ دوسرے کمال کی نسبت مغفرت ہو یعنی وہ حالت ناقص نیچے دبائی جاوے اور غنی کی جاوے اسی طرح غیر متناہی مغفرت کی خواہشمند رہیں گے یہ وہی لفظ مغفرت اور استغفار کا ہے جو بعض نادان بطور اعتراض ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیش کیا کرتے ہیں سونا ظرین نے اس جگہ سے سمجھ لیا ہو گا کہ یہی خواہش استغفار فخر انسان ہے جو شخص کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا اور پھر ہمیشہ کے لیے استغفار اپنی عادت نہیں پکڑتا وہ کیڑا ہے نہ انسان اور اندھا ہے نہ سوچا کھا اور ناپاک ہے نہ طیب۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن شریف کی رو سے دوزخ اور بہشت دونوں اصل میں انسان کی زندگی کے اظلال اور آثار ہیں۔ کوئی ایسی نئی جسمانی چیز نہیں ہے کہ جو دوسری جگہ سے آوے۔ یہ سچ ہے کہ وہ دونوں جسمانی طور سے متشکل ہونگے مگر وہ اصل روحانی حالتوں کے اظلال و آثار ہوں گے ہم لوگ ایسی بہشت کے قائل نہیں کہ صرف جسمانی طور پر ایک زمین پر درخت لگائے گئے ہوں اور نہ ایسی دوزخ کے ہم قائل ہیں جس میں درحقیقت گندھک کے پتھر ہیں بلکہ اسلامی عقیدہ کے موافق بہشت دوزخ انہی اعمال کے انعکاسات ہیں جو دنیا میں انسان کرتا ہے۔

تیسرا سوال دنیا میں زندگی کے مدعا کیا ہیں اور ان کا حصول کس طرح ہوتا ہے

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ مختلف الطبائع انسان اپنی کوئی فہمی یا پست ہمتی سے مختلف طور کے مدعا اپنی زندگی کے لیے ٹھہراتے ہیں اور فقط دنیا کے مقاصد اور آرزوؤں تک چلکے آگے ٹھہر جاتے ہیں مگر وہ مدعا جو خدا تعالیٰ اپنے پاک کلام میں بیان فرماتا ہے، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ یعنی میں نے جن اور انسان کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے پجائیں اور میری پرستش کریں پس اس آیت کی رو سے اصل مدعا انسان کی زندگی کا خدا کی پرستش اور خدا کی معرفت اور خدا کے لیے ہو جانا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو یہ تو مرتبہ حاصل نہیں ہے کہ اپنی زندگی کا مدعا اپنے اختیار سے آپ مقرر کرے کیونکہ انسان نہ اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے واپس جائیگا بلکہ وہ ایک مخلوق ہے اور جس نے پیدا کیا اور تمام حیوانات کی نسبت عمدہ اور اعلیٰ قوی اس کو عنایت کیئے اسی نے اس کی زندگی کا ایک مدعا ٹھہرا رکھا ہے خواہ کوئی انسان اس مدعا کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر انسان کی پیدائش کا مدعا بلاشبہ خدا کی پرستش اور خدا کی معرفت اور خدا میں فانی ہو جانا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک اور جگہ فرماتا ہے إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَیِّمُ فَطَرَهُ اللَّهُ الَّذِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا یعنی وہ دین جس میں خدا کی معرفت صحیح اور اس کی پرستش احسن طور پر ہے وہ اسلام ہے اور اسلام انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور خدا نے انسان کو اسلام پر پیدا کیا اور اسلام کے لیے پیدا کیا ہے یعنی یہ چاہا ہے کہ انسان اپنے تمام

قوی کے ساتھ اُس کی پرستش اور اطاعت اور محبت میں لگ جائے اسی وجہ سے
اُس قادر کریم نے انسان کو تمام قوی اسلام کے مناسب حال عطا کیے ہیں ان
آیتوں کی تفصیل بہت بڑی ہے اور ہم کیقدر پہلے سوال کے تیسرے حصہ میں
لکھ بھی چکے ہیں لیکن اب ہم مختصر طور پر صرف یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ انسان
کو جو کچھ اندرونی اور بیرونی اعضاء دیئے گئے ہیں یا جو کچھ قوتیں عنایت ہوئی
ہیں اصل مقصود اُن سے خدا کی معرفت اور خدا کی پرستش اور خدا کی محبت
ہے اسی وجہ سے انسان دنیا میں ہزاروں شغلوں کو اختیار کر کے پھر بھی
جو خدا کے اپنی سچی خوشحالی کسی میں نہیں پاتا۔ بڑا دو لہمند ہو کر بڑا عمدہ
پاکہ بڑا تاجر بن کر بڑی بادشاہی تک پہنچ کر بڑا فلاسفر کمال کر آخر ان دنیوی
گرفتاریوں سے بڑی حسرتوں کے ساتھ جاتا ہے اور ہمیشہ دل اس کا دنیا
کے استغراق سے اسکو ملزم کرتا رہتا ہے اور اسکے کمروں اور فریبوں اور
جائزہ کاموں میں کبھی اس کا کائنات اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ ایک
دانا انسان اس مسئلہ کو اس طرح بھی سمجھ سکتا ہے کہ جس چیز کے قوی ایک
اعلیٰ سے اعلیٰ کام کر سکتے ہیں اور پھر آگے جا کر ٹھہر جاتے ہیں وہی اعلیٰ
کام اسکی پیدائش کی علت غائی سمجھی جاتی ہے مثلاً بیل کا کام اعلیٰ
سے اعلیٰ قلبہ رانی یا آبپاشی یا بار برداری ہے اس سے زیادہ اسکی
قوتوں میں کچھ ثابت نہیں ہوا سو بیل کی زندگی کا مدد عا یہی تین چیزیں
ہیں اس سے زیادہ کوئی قوت اس میں پائی نہیں جاتی مگر جب ہم انسان
کی قوتوں کو ٹھٹھاتے ہیں کہ ان میں اعلیٰ سے اعلیٰ کونسی قوت ہے تو یہی ثابت
ہوتا ہے کہ خدائے اعلیٰ برتر کی اس میں تلاش پائی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ
چاہتا ہے کہ خدا کی محبت میں ایسا گداز اور محو ہو کہ اس کا اپنا کچھ بھی

نہ ہے سب خدا کا ہو جائے وہ کھانے اور سونے وغیرہ طبعی امور میں دوسرے حیوانات کو اپنا شریک غالب رکھتا ہے۔ صنعت کاری میں بعض حیوانات اس سے بہت بڑھے ہوئے ہیں بلکہ شہد کی مکھیاں بھی ہر ایک پھول کا عطر نکال کر ایسا شہر نفیس پیدا کرتی ہیں کہ اب تک اس صنعت میں انسان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ پس ظاہر ہے کہ انسان کا اعلیٰ کمال خدائے تعالیٰ کا وصال سے لہذا اس کی زندگی اصل مدعا یہی ہے کہ خدا کی طرف اس کے دل کی کھوکھلی نکھلے۔ ہاں اگر یہ سوال ہو کہ یہ مدعا کیونکر اور کطرح حاصل ہو سکتا ہے اور کن وسائل سے انسان اس کو پا سکتا ہے پس واضح ہو کہ سب سے بڑا وسیلہ جو اس مدعا کے پانیکے لئے شرط ہے وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کو صحیح طور پہچانا جائے اور سچے خدا پر ایمان لایا جائے کیونکہ اگر پہلا قدم ہی غلط ہے اور کوئی شخص مثلاً پند یا چرند یا عنصر یا انسان کے بچہ کو خدا سمجھ بیٹھا ہے تو پھر دوسرے قدموں میں اس کے راہ راست پر چلنے کی کیا امید ہے سچا خدا اسکے ڈھونڈنے والوں کو مدد دیتا ہے مگر مردہ مردہ کو کیونکہ مردے سے کیا ہے اس میں اللہ جل شانہ نے خوب تنبیہ فرمائی ہے اور وہ یہ ہے

لَا دَعْوَةَ الْغَائِبِ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُمْ سَمْعٌ شَيْءٌ اَلَا كَمَا سَبَّحْتَ كَهَيْئَةِ اِلٰى الْمَاءِ لِيَبْكُلُمْ فَاِذَا دَمًا هُوَ بِاٰلِهَيْهِ وَمَا دَعَا الْكٰفِرِيْنَ اَلَا بِنِیْ حَسْبَ الْاٰلِیٰی یعنی دعا کر نیکے لائق وہی سچا خدا ہے جو ہر ایک بات پر قادر ہے اور جو لوگ اُس کے سوا اوروں کو پکارتے ہیں وہ کچھ بھی ان کو جواب نہیں دے سکتے انکی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی پانی کی طرف ہاتھ پھیلا دے کہ لمے پانی میرے منہ میں آجائے تو کیا وہ اسکے منہ میں آجائے گا ہرگز نہیں۔ سو جو لوگ سچے خدا سے بیخبر ہیں انکی تمام دعائیں باطل ہیں۔ دوسرا وسیلہ خدائے تعالیٰ کے اُس حسن و جمال پر اطلاع پانا ہے جو باعتبار کمال تام کے اُس میں پایا جاتا ہے

کیونکہ حسن ایک ایسی چیز ہے جو بالطبع دل اُسکی کی طرف کھینچا جاتا ہے اور اُسکے مشاہدہ سے طبعاً محبت پیدا ہوتی ہے تو حسن باری تعالیٰ اُس کی وحدانیت اور اُسکی عظمت اور بزرگی اور صفات ہیں جیسا کہ قرآن شریف نے فرمایا ہے قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ یعنی خدا اپنی ذات اور صفات اور جلال میں ایک ہے کوئی اُس کا شریک نہیں اس کے حاجتمند ہیں ذرہ ذرہ اُس سے زندگی پاتا ہے وہ کل چیزوں کے لئے مبدی فیض ہے اور آپ کسی سے فیضیاب نہیں وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ اور کیونکہ ہو کہ اُس کا کوئی ہم ذات نہیں قرآن نے بار بار خدا کا کمال پیش کر کے اور اُسکی عظمتیں دکھلا کے لوگوں کو توجہ دلائی ہے کہ دیکھو ایسا خدا دلوں کا مرغوب ہے نہ کہ مردہ اور کمزور اور کم رحم اور کم قدرت

تیسرا وسیلہ جو مقصود حقیقی تک پہنچنے کے لئے درجہ کا ذینہ ہے خدا تعالیٰ کے احسان پر اطلاع پانا ہے کیونکہ محبت کی محرک دو ہی چیزیں ہیں حسن یا احسان اور خدائے تعالیٰ کی احسانی صفات کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں پایا جاتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یَا یٰکُمُ الدِّیْنِ کیونکہ ظاہر ہے کہ احسان کامل اس میں ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے بندوں کو محض نابود سے پیدا کرے اور پھر ہمیشہ اُس کی ربوبیت ان کے شامل حال ہو اور وہی ہر ایک چیز کا آپ سہارا ہو اور پھر اُسکی تمام قسم کی رحمتیں اُسکے بندوں کے لئے ظہور میں آئی ہوں اور اُسکا احسان بے انتہا ہو جس کا کوئی شمار نہ کر سکے سو ایسے احسانوں کو خدائے تعالیٰ نے بار بار بتلایا ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرماتا ہے وَاِنْ تَعَدَّ وَاِنْ نَعْمَةُ اللّٰهِ لَا تُحْصَوْنَ یعنی اگر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہر گز گن نہ سکو گے۔ چوتھا وسیلہ خدائے تعالیٰ نے

اصل مقصود کے پانیکے لئے دعا کو ٹھہرایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَدْعُوْنِي
اَسْتَجِبْ لَكُمْ یعنی تم دعا کرو میں قبول کروں گا۔ اور بار بار دعا کے لئے
رجعت دلائی ہے تا انسان اپنی طاقت سے نہیں بلکہ خدا کی طاقت سے پاؤ۔
پانچواں وسیلہ اصل مقصود کے پانیکے لئے خدائے تعالیٰ نے مجاہدہ ٹھہرایا ہے
یعنی اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کر نیکے ذریعہ سے اور اپنی طاقتوں کو خدا کی
راہ میں خرچ کر نیکے ذریعہ سے اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں خرچ کر نیکے ذریعہ
سے اور اپنی عقل کو خدا کی راہ میں خرچ کر نیکے ذریعہ سے اُسکو دھونڈا جائے
جیسا کہ وہ فرماتا ہے جَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ
رَبِّ قَدْ هَمَمْتُ بِمَنْفِقُونَهُ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَهُمْ
سُبُلَنَا یعنی اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنے نفسوں کو مع انکی طاقتوں
کے خدا کی راہ میں خرچ کرو اور جو کچھ ہم نے عقل اور علم اور فہم اور ہنر وغیرہ
تکویا ہے وہ سب کچھ خدا کی راہ میں لگاؤ جو لوگ ہماری راہ میں ہر ایک طور
سے کوشش بجالاتے ہیں ہم انکو اپنی راہیں دکھا دیا کرتے ہیں۔ چھٹا وسیلہ اصل
مقصود کے پانیکے لئے استقامت کو بیان فرمایا گیا ہے یعنی اس راہ میں دراندہ
اور عاجز نہ ہو اور ٹھک نہ جائے اور امتحان سے ڈرنے جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا اَسْرَبْنَا لِلّٰهِ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَا تَتَخَفُوْا وَكَانَتْ نُوُوْا وَاَبْنَسُوْا وَاَبَا جَنَّةٍ الَّتِيْ كُنْتُمْ
تُوْعَدُوْنَ هُنَّ اَوْ لِيَاكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ
یعنی وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور باطل خداؤں سے الگ
ہو گئے پھر استقامت اختیار کی یعنی طرح طرح کی آزمائشوں اور بلا کے وقت
ثابت قدم رہے انپر فرشتے اترتے ہیں کہ تم مت ڈرو اور مت غمگین ہو اور

خوش ہو اور خوشی میں بھر جاؤ کہ تم اس خوشی کے وارث ہو گئے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے ہم اس دنیوی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں۔ اسجگہ ان کلمات سے یہ اشارہ فرمایا کہ استقامت سے خدائے تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ یہ سچ بات ہے کہ استقامت فوق الکرامت ہے۔ کمال استقامت یہ ہے کہ چاروں طرف بلاؤں کو محیط دیکھیں اور خدا کی راہ میں جان اور عزت اور آبرو کو معرض خطر میں پا دیں اور کوئی تسلی دینے والی بات موجود نہ ہو یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ بھی امتحان کے طور پر تسلی دینے والے کشف یا خواب یا الہام کو بند کر دے اور ہولناک خوفوں میں چھوڑ دے اسوقت نامردی نہ دکھلا دیں اور بزدلوں کی طرح پیچھے نہ ہٹیں اور وفاداری کی صفت میں کٹی خلل پیدا نہ کریں۔ صدق اور ثبات میں کوئی رخنہ نہ ڈالیں۔ ذلت پر خوش ہو جائیں موت پر راضی ہو جائیں اور ثابت قدمی کے لئے کسی دوست کا انتظار نہ کریں کہ وہ سہارا دے نہ اسوقت خدا کی بشارتوں کے طالب ہوں کہ وقت نازک ہے اور باوجود سراسر بیکس اور کمزور ہونیکے اور کسی تسلی کے نہ پانیکے سیدھے کھڑے ہو جائیں اور ہرچہ یاد آدکمرگرہ دن کو آگے رکھ دیں اور قضا و قدر کے آگے دم نہ ماریں اور ہرگز بیقراری اور جزع فزع نہ دکھلا دیں جب تک کہ آزمائش کا حق پورا ہو جائے یہی استقامت ہے جس سے خدا ملتا ہے یہی وہ چیز ہے جسکی رسول اور نبیوں اور صدیقیوں اور شہیدوں کی خاک سے اب تک خوشبو آ رہی ہے اسی کی طرف اللہ جل شانہ اس دعائیں اشارہ فرماتا ہے اٰھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی لے ہمارے خدا ہمیں استقامت کی راہ دکھلا دہی راہ جسر تیرا انعام و اکرام مترتب ہوتا ہے اور تو راضی ہو جاتا ہے اور اسی کی طرف اس دوسری آیت میں اشارہ فرمایا

سَرَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَكَّلْنَا مُسْلِمِينَ ۝ لے خدا اس مصیبت میں ہمارے دل پر وہ سکینت نازل کر جس سے صبر آجائے اور ایسا کر کہ ہماری موت اسلام پر ہو۔ جاننا چاہیے کہ دکھوں اور مصیبتوں کے وقت میں خدا تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے دل پر ایک نور اتارتا ہے جس سے وہ قوت پاکر نہایت اطمینان سے مصیبت کا مقابلہ کرتے ہیں اور علالت ایمانی سے ان زنجیروں کو بوسہ دیتے ہیں جو اس کی راہ میں لٹکے پیروں میں پڑیں۔ جب با خدا آدمی پر بلائیں نازل ہوتی ہیں اور موت کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے رب کریم سے خواہ مخواہ کا جھگڑا شروع نہیں کرتا کہ مجھے ان بلاؤں سے بچا کیونکہ اس وقت عافیت کی دعا اس اصرار کرنا خدا سے لڑائی اور موافقت نامہ کے مخالف ہے بلکہ سچا محب بلا کے اُترنے سے اور آگے قدم رکھتا ہے اور ایسے وقت میں جان کو ناچیز سمجھ کر اور جان کی محبت کو الوداع کہہ کر اپنے مولیٰ کی مرضی کا بکلی تابع ہو جاتا ہے اور اس کی رضا چاہتا ہے اُسی کے حق میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے وَمَنْ اتَّيَسَّرَ مِنْ يَسَّرَ فَيَسِّرْهُ لِنَفْسِهِ اِيْتَعَاءَ هَرَضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ دَرُؤُكَ يَا كَيْبَادِ ۝ یعنی خدا کا پیارا بندہ اپنی جان خدا کی راہ میں دیتا ہے اور اُس کے عوض میں خدا کی مرضی خرید لیتا ہے وہی لوگ ہیں جو خدا کی رحمت خاص کے مور ہیں۔ غرض وہ استقامت جس سے خدا ملتا ہے اُسکی یہی روح ہے جو بیان کی گئی جس کو سمجھنا ہو سمجھ لے۔ ساتواں وسیلہ اصل مقصود کے پانیکے لیے راست بازوں کی صحبت اور انکے کامل نمونوں کو دیکھنا ہے۔ پس جاننا چاہیے کہ انبیاء کی ضرورتوں میں سے ایک یہ بھی ضرورت ہر کافران طبعاً کامل نمونہ کا محتاج ہے اور کامل نمونہ شوق کو زیادہ کرتا ہے اور محنت کو بڑھاتا ہے اور جو نمونے کا پیرو نہیں وہ سُست ہو جاتا ہے اور بہک جاتا

ہے اسی کی طرف اللہ جل شانہ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے **كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ**
صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی تم ان لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو راستہ باز
 ہیں۔ ان لوگوں کی راہیں سیکھو جنہیں تم سے پہلے فضل ہو چکا ہے۔ انھوں نے وسیلۂ خدا تعالیٰ کی
 طرف سے پاک کشف اور پاک الہام اور پاک خوابیں چو کہ خدا سے تعالیٰ کی طرف سفر کرنا ایک
 نہایت دقیق در دقیق راہ ہے اور اس کے ساتھ طرح طرح کے مصائب اور دکھ لگے ہوئے
 ہیں اور ممکن ہے کہ انسان اس نادیدہ راہ میں بھول جاوے یا ناامیدی طاری ہو اور لگے
 قدم بڑھانا چھوڑ دے اس لئے خدا سے تعالیٰ رحمت نے چاہا کہ اپنی طرف سے اس سفر میں
 ساتھ ساتھ اس کو تسلی دیتی رہے اور اس کی دلہری کرتی رہے اور اس کی مکرہمت باندھتی
 رہے اور اس کے شوق کو زیادہ کرے۔ سو اس کی سنت اس راہ کے مسافروں کے ساتھ
 اطرع پر واقع ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے کلام اور الہام سے ان کو تسلی دیتا اور ان پر ظاہر کرتا
 ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تب وہ قوت پاکر بڑے زور سے اس سفر کو طے کرتے ہیں
 چنانچہ اس بارے میں وہ فرماتا ہے **لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ**
 اسی طرح اور بھی کئی وسائل ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائے ہیں مگر ان سب سے اندیشہ طول
 کی وجہ سے ان کو بیان نہیں کر سکتے۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ

زندگی میں اور زندگی کے بعد عملی شریعت کا عمل کیا ہو؟

اس سوال کا جواب وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ خدا کی سچی اور کامل شریعت کا
 فعل جو اس کی زندگی میں انسان کے دل پر ہوتا ہے کہ اس کو وحشیانہ حالت سے انسان بناوے
 اور پھر بااخلاق انسان سے باخدا انسان بناوے اور نیز اس کی زندگی میں عملی شریعت کا
 ایک فعل یہ ہے کہ شریعت حقہ پر قائم ہو جانے سے ایسے شخص کا بنی نوع پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ

درجہ بدرجہ ان کے حقوق کو پہچانتا ہے اور عدل اور احسان اور مہرری کی توفیقوں کو اپنے اپنے محل پر استعمال کرتا ہے اور جو کچھ خدا نے اس کو علم اور معرفت اور مال اور آسائش میں سے حصہ دیا ہے سب لوگوں کو حسب مراتب ان نعمتوں میں شریک کر دیتا ہے وہ تمام بنی نوع پر سورج کی طرح اپنی روشنی ڈالتا ہے اور چاند کی طرح حضرت اعلیٰ سے نور پاکر وہ نور دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ وہ دن کی طرح روشن ہو کر نیکی اور بھلائی کی راہیں لوگوں کو دکھاتا ہے وہ رات کی طرح ہر ایک ضعیف کی پردہ پوشی کرتا ہے اور تھکوں اور ماندوں کو آرام پہنچاتا ہے وہ آسمان کی طرح ہر ایک حاجتمند کو اپنے سایہ سے نیچے جگہ دیتا ہے اور وقتوں پر اپنے فیض کی بارشیں برساتا ہے وہ زمین کی طرح کمال انکسار سے ہر ایک آدمی کی آسائش کے لیے بطور فرش کے ہو جاتا اور سب کو اپنی کنر عافیت میں لیتا اور طرح طرح کے روحانی میوے ان کے لیے پیش کرتا ہے سو یہی کامل شریعت کا اثر ہے کہ کامل شریعت پر قائم ہونی والا حق اللہ اور حق العباد کو کمال کے نقطہ تک پہنچا دیتا ہے خدا میں وہ محو ہو جاتا ہے اور مخلوق کا سچا خادم بن جاتا ہے۔ یہ تو عملی شریعت کا اس زندگی میں اثر ہے مگر زندگی کے بعد جو اثر ہے وہ یہ ہے کہ خدا کا روحانی اتصال اس روز کھلے کھلے دیدار کے طور پر اس کو نظر آئے گا اور خلق اللہ کی خدمت جو اس نے خدا کی محبت میں ہو کر کی جس کا محرک ایمان اور اعمال صالحہ کی خواہش تھی وہ بہشت کے درختوں اور نروں کی طرح تشریف ہو کر دکھائی دیگی اس میں خدائے تعالیٰ کا فرمان یہ ہے وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا۔ وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا۔ وَالنَّهَارُ إِذَا جَلَّهَا۔ وَاللَّيْلُ إِذَا يَغْشَاهَا۔ وَالسَّمَاءُ وَمَا بَنَاهَا۔ وَالْأَرْضُ وَمَا طَرَاهَا۔ وَنَفْسٌ وَمَا سَوَّاهَا۔ فَالْهَمَّهَا فَجُورَهَا وَتَقْوَاهَا۔ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا۔ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا۔ إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا۔ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا۔ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهُ

فَدَمَدَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذُنُوبِهِمْ قَسْوَةً ۖ وَكَانَ عَذَابُهَا
یعنی قسم ہے سورج کی اور اُس کی روشنی کی اور قسم ہے چاند کی جب پیروی کرے
سورج کی یعنی سورج سے نور حاصل کرے اور پھر سورج کی طرح اس نور کو دوسروں
تک پہنچا دے اور قسم ہے دن کی جب سورج کی صفائی دکھا دے اور رات کو
کو نمایاں کرے اور قسم ہے رات کی جب اندھیرا کرے اور اپنے پردہ تاریکی میں
سب کو لے لے اور قسم ہے آسمان کی اور اس علت غائی کی جو آسمان کی اس بنا
کا موجب ہوئی اور قسم ہے زمین کی اور اُس علت غائی کی جو زمین کے اس قسم کے
فروش کا موجب ہوئی اور قسم ہے نفس کی اور نفس کے اُس کمال کی جس نے ان
سب چیزوں کے ساتھ اس کو برابر کر دیا یعنی وہ کمالات جو متفرق طور پر ان چیزوں میں پائے
جاتے ہیں کامل انسان کا نفس ان سب کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے اور جیسے یہ تمام
چیزیں علیحدہ علیحدہ نوع انسان کی خدمت کر رہی ہیں کامل انسان ان تمام خدا
کو اکٹھا بجالاتا ہے جیسا کہ میں ابھی لکھ چکا ہوں اور پھر فرماتا ہے کہ وہ شخص نجات پاگیا
اور موت سے بچ گیا جس نے اس طرح پر نفس کو پاک کیا یعنی سورج اور چاند اور زمین
وغیرہ کی طرح خدا میں محو ہو کر خلق اللہ کا خادم بنا۔

یاد رہے کہ حیات سے مراد حیات جاودانی ہے جو آئندہ کامل انسان کو حاصل
ہوگی یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عملی شریعت کا پھل آئندہ زندگی میں حیات
جاودانی ہے جو خدا کے دیدار کی غذا سے ہمیشہ قائم رہے گی اور پھر فرمایا کہ وہ شخص
ملاک ہو گیا اور زندگی سے ناامید ہو گیا جس نے اپنے نفس کو خاک میں ملا دیا اور جن
کمالات کی اس کو استعدادیں دی گئیں ان کمالات کو حاصل نہ کیا اور گندی زندگی
بسر کر کے واپس گیا اور پھر مثال کے طور پر فرمایا کہ تھوڑا کا قصہ اُس بد سخت کے قصہ سے
مشابہ ہے انہوں نے اُس اوٹنی کو زخمی کیا جو خدا کی اوٹنی کمالات تھی اور اپنے چستہ

سے پانی پینے سے اُس کو روکا۔ سو اس شخص نے حقیقت خدا کی ادنیٰ کو زخمی کیا اور اُس کو اُس چشمہ سے محروم رکھا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کا نفس خدا کی ادنیٰ ہے جس پر وہ سوار ہوتا ہے یعنی انسان کا دل انہی تجلیات کی جگہ ہے اور اس ادنیٰ کا پانی خدا کی محبت اور معرفت ہے جس سے وہ جیتی ہے اور پھر فرمایا کہ تمہو نے جب ادنیٰ کو زخمی کیا اور اُس کو اُس کے پانی سے روکا تو اُن پر عذاب نازل ہوا۔ اور خدائے تعالیٰ نے اس بات کی کچھ بھی پروا نہ کی کہ ان کے مرنیکے بعد انکے بچوں اور بیواؤں کا کیا حال ہوگا۔ سو ایسا ہی جو شخص اس ادنیٰ یعنی نفس کو زخمی کرتا ہے اور اس کو کمال تک پہنچانا نہیں چاہتا۔ اور پانی پینے سے روکتا ہے وہ بھی ہلاک ہوگا۔ اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ خدا کا سورج اور چاند وغیرہ کی قسم کھانا ایک نہایت دقیق حکمت پر مشتمل ہے جس سے ہمارے اکثر مخالف نادان قف ہونیکے وجہ سے اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ خدا کو قسموں کی کیا ضرورت پڑی اور اُس نے مخلوق کی کیوں قسمیں کھائیں لیکن چونکہ اُن کی سمجھ زمینی ہے نہ آسمانی اس لیے وہ معارفِ حق کو سمجھ نہیں سکتے۔ سو واضح ہو کہ قسم کھانے سے اصل مدعا یہ ہوتا ہے کہ قسم کھانے والا اپنے دعوے کے لیے ایک گواہی پیش کرنا چاہتا ہے کیونکہ جسکے دعوے پر اور کوئی گواہ نہیں ہوتا وہ بچائے گواہ کے خدائے تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے اس لیے کہ خدا عالم الغیب ہے اور ہر ایک مقصد میں وہ پہلا گواہ ہے گویا وہ خدا کی گواہی ا طرح پیش کرتا ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ اس قسم کے بعد خاموش رہا اور اُس پر عذاب نازل نہ کیا تو گویا اُس نے اس شخص کے بیان پر گواہوں کی طرح مہر لگا دی اس لیے مخلوق کو نہیں چاہیے کہ دوسری مخلوق کی قسم کھا دے کیونکہ مخلوق عالم الغیب نہیں اور نہ جھوٹی قسم پر سزا دینے پر قادر ہے مگر خدا کی قسم ان آیات میں ان معنوں سے نہیں جیسا کہ مخلوق کی قسم میں مراد لپی جاتی ہے بلکہ اس میں یہ سنت اللہ ہے کہ

فرمان شریف میں جو مختلف چیزوں کی قسمیں آئی ہیں ان کی خلاصہ

خدا کے دو قسم کے کام ہیں ایک بدیہی جو سب کی سمجھ میں آسکتے ہیں اور اُن میں کسی کو اختلاف نہیں اور دوسرے وہ کام جو فطری ہیں جن میں دنیا غلطیاں کھاتی ہے اور باہم اختلاف رکھتی ہے سو خدا نے تعالیٰ نے چاہا کہ بدیہی کاموں کی شہادت سے فطری کاموں کو لوگوں کی نظر میں ثابت کرے :

پس یہ تو ظاہر ہے کہ سورج اور چاند اور دن اور رات اور آسمان اور زمین میں وہ خواص درحقیقت پائے جاتے ہیں جن کو ہم ذکر کرچکے ہیں مگر جو اس قسم کے خواص انسان کے نفس ناطقہ میں موجود ہیں ان سے ہر ایک شخص آگاہ نہیں، سو خدا نے اپنے بدیہی کاموں کو فطری کاموں کے کھولنے کے لیے بطور گواہ کے پیش کیا ہے گویا فرماتا ہے کہ اگر تم ان خواص سے شک میں ہو جو نفس ناطقہ انسانی میں پائے جاتے ہیں تو چاند اور سورج وغیرہ میں غور کرو کہ ان میں بدیہی طور پر یہ خواص موجود ہیں اور تم جانتے ہو کہ انسان ایک عالم صغیر ہے جس کے نفس میں تمام عالم کا نقشہ اجمالی طور پر مرکوز ہے پھر جبکہ یہ ثابت ہے کہ عالم کبیر کے بڑے بڑے اجرام یہ خواص اپنے اندر رکھتے ہیں اور اسی طرح پر مخلوقات کو فیض پہنچا رہے ہیں تو انسان جو ان سب سے بڑا مکمل اتار ہے اور بڑے درجہ کا پیدا کیا گیا ہے وہ کیونکر ان خواص سے خالی اور بے نصیب ہوگا نہیں بلکہ اس میں بھی سورج کی طرح ایک علمی اور عقلی روشنی ہے جس کے ذریعہ سے وہ تمام دنیا کو منور کر سکتا ہے اور چاند کی طرح وہ حضرت اعلیٰ سے کشف اور الہام اور وحی کا ذریعہ رہتا ہے اور دوسروں تک جنہوں نے انسانی کمال ابھی تک حاصل نہیں کیا اس نور کو پہنچاتا ہے پھر کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ نبوت باطل ہے اور تمام رسالتیں اور شریعتیں اور کتابیں انسان کی مکاری اور خود غرضی ہے یہ بھی دیکھتے ہو کہ کیونکر دن کے روشن ہونے سے تمام راہیں روشن ہو جاتی ہیں تمام نشیب و فراز نظر آ جاتے ہیں سو کامل انسان روحانی روشنی کا دان ہے

اس کے چڑھنے سے ہر ایک راہ نمایاں ہو جاتی ہے وہ سچی راہ کو دکھلا دیتا ہے کہ کہاں اور کدھر ہے کیونکہ راستی اور بچائی کا وہی روز روشن ہے ایسا ہی یہ بھی مشاہدہ کر رہے ہو کہ رات کیسی ٹھکوں ماندوں کو جگہ دیتی ہے تمام دن کے شکستہ کو فتنہ مز دور رات کے کنار عافیت میں بخوشی سوتے ہیں اور محنتوں سے آرام پاتے ہیں اور رات ہر ایک کے لیے پردہ پوش بھی ہے ایسا ہی خدا کے کامل بند دنیا کو آرام دینے کے لیے آتے ہیں۔ خدا سے وحی اور الہام پانے والے تمام عقلمندوں کو جانکا ہی سے آرام دیتے ہیں انکی طفیل سے بڑے بڑے معارف آسانی کے ساتھ حل ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی خدا کی وحی انسانی عقل کی پردہ پوشی کرتی ہے اس کی ناپاک خطاؤں کو دنیا پر ظاہر ہونے نہیں دیتی کیونکہ عقلمند وحی کی روشنی کو پاکر اندر ہی اندر اپنی غلطیوں کی اصلاح کر لیتے ہیں اور خدا کے پاک الہام کی برکت سے اپنے تئیں پردہ دری سے بچا لیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ فلاطون کی طرح اسلام کے کسی فلاسفر نے کسی بت پر مریغ کی قربانی نہ چڑھائی۔ چونکہ فلاطون اسلام کی روشنی سے بے نصیب تھا ایسے دھوکا کھا گیا اور ایسا فلاسفر کھلا کر یہ کمرہ اور احمقانہ حرکت اس سے صادر ہوئی مگر اسلام کے حکما کو ایسے ناپاک اور احمقانہ حرکتوں سے ہمارے سید و مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نے بچا لیا۔ اب دیکھو کیسا ثابت ہوا کہ الہام عقلمندوں کا رات کی طرح پردہ پوش ہے۔ یہ بھی آپ لوگ جانتے ہیں کہ خدا کے کامل بندے آسمان کی طرح ہر ایک ماندہ کو اپنے سایہ میں لے لیتے ہیں۔ خاص کر اس ذات پاک کے انبیاء اور الہام پانیوں عام طور پر آسمان کی طرح فیض کی بارشیں برساتے ہیں ایسا ہی زمین کی خاصیت بھی اپنے اندر رکھتے ہیں انکے نفس نفیس سے طرح طرح کے علوم عالیہ کے درخت نکلتے ہیں جن کے سایہ اور پھل اور پھول سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں سو یہ کھلا کھلا قانون

جو ہماری نظر کے سامنے ہے اسی چھپے ہوئے قانون کا ایک گواہ ہے جس کی گواہی کو
 قسموں کے پیرایہ میں خدا نے تعالیٰ نے ان آیات میں پیش کیا ہے سو دیکھو کہ یہ
 کس قدر پُر حکمت کلام ہے جو قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔ یہ اسکے منہ سے نکلا
 جو ایک اُمّی اور بیابان کے رہنے والا تھا۔ اگر یہ خدا کا کلام نہ ہوتا تو اس طرح عام
 عقلیں اور وہ تمام جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں اسکے اس دقیق نکتہ معرفت سے
 عاجز آکر اعتراض کی صورت میں اس کو نہ دیکھتے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ انسان
 جب ایک بات کو کسی پہلو سے بھی اپنی مختصر عقل کے ساتھ نہیں سمجھ سکتا
 ایک حکمت کی بات کو جائے اعتراض ٹھہر لیتا ہے اور اس کا اعتراض اس بات کا
 گواہ ہو جاتا ہے کہ وہ دقیقہ حکمت عام عقلموں سے برتر و اعلیٰ تھا تب ہی تو
 عقلمندوں نے عقلمند کہلا کر پھر بھی اس پر اعتراض کر دیا مگر اب جو یہ راز کھل گیا
 تو اب اس کے بغیر کوئی عقلمند اس پر اعتراض نہیں کرے گا بلکہ اس سے لذت
 اٹھائے گا۔ یاد رہے کہ قرآن شریف نے وحی اور الہام کی سنت قدیمہ پر
 قانون قدرت سے گواہی لانے کے لیے ایک اور مقام میں بھی اسی قسم کی
 قسم کھائی ہے اور وہ یہ ہے **وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْأَرْضِ
 ذَاتِ الْمُنْعِ إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ**۔
 یعنی اُس آسمان کی قسم ہے جس کی طرف سے بارش آتی ہے اور اس زمین
 کی قسم ہے جو بارش سے طرح طرح کی سبزیاں نکالتی ہے کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے
 اور اُس کی وحی ہے اور وہ باطل اور حق میں فیصلہ کنیوالا ہے اور عبث اور
 بیہودہ نہیں یعنی بے وقت نہیں آیا موسم کے مہینہ کی طرح آیا ہے۔ اب خدا تعالیٰ
 نے قرآن شریف کے ثبوت کے لیے جو اُس کی وحی ہے ایک کھلے کھلے قانون قدرت
 کو قسم کے رنگ میں پیش کیا یعنی قانون قدرت میں ہمیشہ یہ بات مشہور اور مرقوم ہے

کہ ضرورتوں کے وقت آسمان سے بارش ہوتی ہے اور تمام مدار زمین کی سرسبزگی آسمان کی بارش پر ہے اگر آسمان سے بارش نہ ہو تو رفتہ رفتہ کنوئیں بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ پس دراصل زمین کے پانی کا وجود بھی آسمان کی بارش پر موقوف ہے اسی وجہ سے جب کبھی آسمان سے پانی برستا ہے تو زمین کے کنوئوں کا پانی چڑھ آتا ہے کیوں چڑھ آتا ہے اس کا یہی سبب ہے کہ آسمانی پانی زمین کے پانی کو اوپر کی طرف کھینچتا ہے۔ یہی رشتہ وحی اللہ اور عقل میں ہے۔ وحی اللہ یعنی الہام اُسی آسمانی پانی سے عقل زمین پانی ہے اور یہ پانی ہمیشہ آسمانی پانی سے جو الہام ہے تربیت پاتا ہے۔ اور اگر آسمانی پانی یعنی وحی ہونا بند ہو جائے تو یہ زمین پانی بھی رفتہ رفتہ خشک ہو جاتا ہے کیا اسکو واسطے یہ دلیل کافی نہیں کہ جب ایک زمانہ دراز گزر جاتا ہے اور کوئی الہام یافتہ زمین پر پیدا نہیں ہوتا تو عقلمندوں کی عقلیں نہایت گندی اور خراب ہو جاتی ہیں زمینی پانی خشک ہو جاتا ہے اور مٹ جاتا ہے ۛ

اس کے سمجھنے کے لئے اس زمانہ پر ایک نظر ڈالنا کافی ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اپنا رنگ تمام دنیا میں دکھلا رہا تھا۔ چونکہ فوت حضرت مسیحؑ کے زمانہ کو چھ سو برس گزر گئے تھے اور اس عرصہ میں کوئی الہام یافتہ پیدا نہیں ہوا تھا اس لئے تمام دنیا نے اپنی حالت کو خراب کر دیا تھا ہر ایک ملک کی تاریخیں پکار پکار کر کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مگر آپ کے ظہور سے پہلے تمام دنیا میں خیالات فاسدہ پھیل گئے تھے ایسا کیوں ہوا تھا اور اس کا کیا سبب تھا یہی تو تھا کہ الہام کا سلسلہ مدتوں تک بند ہو گیا تھا۔ آسمانی سلطنت صرف عقل کے ہاتھ میں تھی پس اس ناقص عقل نے کن کن خرابیوں میں لوگوں کو ڈالا کیا اس سے کوئی ناواقف بھی ہے دیکھو الہام کا پانی جب مدت تک نہ برسا تو عقلوں کا پانی کیسا خشک ہو گیا سو ان فتنوں میں یہی قانون قدرت اللہ تعالیٰ پیش کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ

تم غور کر کے دیکھو کہ کیا خدا کا یہ حکم اور انہی قانون قدرت نہیں کہ زمین کی تمام سرسبز کامیاب
آسمان کا پانی ہے۔ سو اس پوشیدہ قانون قدرت کے لیے جو الہام الہی کا سلسلہ ہے یہ
کھلا کھلا قانون قدرت بطور گواہ کے ہے سو اس گواہ سے فائدہ اٹھاؤ اور صرف عقل کو
اپنا رہبر مت بناؤ کہ وہ ایسا پانی نہیں جو آسمانی پانی کے سوا موجود رہ سکے جس طرح آسمانی
پانی کا یہ خاصہ ہے کہ خواہ کسی کنوئیں میں اس کا پانی پڑے یا نہ پڑے وہ اپنی طبیعت
سے تمام کنوئیں کے پانی کو اوپر چڑھا دیتا ہے ایسا ہی جب خدا کا ایک الہام یافتہ
دنیا میں ظہور فرماتا ہے خواہ کوئی عقلمند اس کی پیروی کرے یا نہ کرے مگر اس الہام
یافتہ کے زمانہ میں خود عقلموں میں ایسی روشنی اور صفائی آجاتی ہے کہ پہلے اس سے
موجود نہ تھی۔ لوگ خواہ نسخہ حق کی تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں اور غیب ہوا ایک
حرکت ان کی قوت متفکرہ میں پیدا ہو جاتی ہے سو یہ تمام عقلی ترقی اور دلی جوش
اس الہام یافتہ کے قدم مبارک سے پیدا ہو جاتا ہے اور بالخاصیت زمین کے
پانیوں کو اوپر اٹھاتا ہے جب تم دیکھو کہ مذاہب کی جستجو میں ہر ایک شخص کھڑا
ہو گیا ہے اور زمینی پانی کو کچھ اُبال آیا ہے تو اٹھو اور خبردار ہو جاؤ اور یقیناً
سمجھو کہ آسمان سے زور کا مینہ برسا ہے اور کسی دل پر الہامی بارش ہوئی ہے۔

پانچواں سوال یہ

کہ علم اور معرفت الہی کے ذریعے کیا کیا ہیں

اس سوال کے جواب میں واضح ہو کہ اس بارے میں جس قدر قرآن شریف نے
بمسطوط طور پر ذکر فرمایا ہے اس کے ذکر کرنے کی تو اس جگہ کسی طرح گنجائش نہیں لیکن بطور
نمونہ کسی قدر بیان کیا جاتا ہے سو جاننا چاہیے کہ قرآن شریف نے علم تین قسم قرار
دیا ہے۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔ جیسا کہ ہم پہلے اس سے سورہ

الحکمہ التکاثر کی تفسیر میں ذکر کر چکے ہیں اور بیان کر چکے ہیں کہ علم الیقین وہ ہے کہ شے مقصود کا کسی واسطہ کے ذریعہ سے نہ بلا واسطہ پہنچا جا کر جیسا ہم دھوئیں سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں پر آگ کو دیکھا نہیں مگر دھوئیں کو دیکھا ہے جس سے ہمیں آگ کے وجود پر یقین آیا سو یہ علم الیقین ہے اور اگر ہم آگ کو ہی دیکھ لیا ہے تو یہ بموجب بیان قرآن شریف یعنی سورہ الحکمہ التکاثر کے علم کے مراتب میں سے عین الیقین کے نام سے موسوم ہے اور اگر ہم اس آگ میں داخل بھی ہو گئے ہیں تو اس علم کے مرتبہ کا نام قرآن شریف کے بیان کے رد سے حق الیقین ہے سورہ الحکمہ التکاثر کے اب دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ناظرین اس موقع سے اس تفسیر کو دیکھ لیں اب جاننا چاہیے کہ پہلی قسم کا جو علم ہے یعنی علم الیقین اس کا ذریعہ عقل اور منقولہات ہیں اللہ تعالیٰ دوزخیوں سے حکایت کر کے فرماتا ہے قَالُوا لَوْلَا نَسَمِعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي اَصْحَابِ السَّعِيرِ یعنی دوزخی کہیں گے کہ اگر ہم عقل مند ہوتے اور ذہن مند اور عقیدہ کو معقول طریقوں سے آزمانے یا کامل عقلمندوں اور محققوں کی تحریروں اور تقریروں کو توجہ سے سنتے تو آج دوزخ میں نہ پڑتے یہ آیت اس دوسری آیت کے موافق ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَكْفُرُ الْاَنۡفُسَ الْاَوۡسَعَهَا یعنی ہمارے تعالیٰ انسانی نفوس کو انکی وسعت علمی سے زیادہ کسی بات کو قبول کرنے کے لیے تکلیف نہیں دیتا اور وہی عقیدے پیش کرتا ہے جنکا سمجھنا انسان کے حد استعداد میں داخل ہے تا اُس کے حکم تکلیف مالا یطاق میں داخل نہ ہوں اور ان آیات میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کا نون کے ذریعہ بھی علم الیقین حاصل کر سکتا ہے مثلاً ہم نے لندن تو نہیں دیکھا صرف دیکھنے والوں سے اس شہر کا وجود سنا ہے مگر کیا ہم شک کر سکتے ہیں کہ شاید ان سب جھوٹ بول دیا ہو گا مثلاً ہم نے عالمگیر بادشاہ کا زمانہ نہیں پایا اور نہ عالمگیر کی شکل دیکھی ہے مگر کیا ہمیں اس بات میں کچھ بھی شبہ ہے

کہ عالمگیر چغتائی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا پس ایسا یقین کیوں حاصل ہوا
اس کا جواب یہی ہے کہ صرف سماع کے تواتر سے پس اس میں شک نہیں کہ سماع بھی
علم یقین کے مرتبہ تک پہنچا ہے بیوں کی کتابیں اگر سلسلہ سماع میں کچھ خلل نہ رکھتی ہوں
وہ بھی ایک سماعی علم کا ذریعہ ہیں لیکن اگر ایک کتاب آسمانی کتاب کہلا کر پھر منکر پچاس
ساتھ نسخے اس کے پائے جائیں اور بعض بعض کے مخالف ہوں تو گو کسی فریق نے
یقین بھی کر لیا ہو کہ ان میں سے صرف دو چار صحیح ہیں اور باقی وضعی اور جعلی لیکن محقق
کے لئے ایسا یقین جو کسی کامل تحقیقات پر مبنی نہیں یہودہ ہوگا اور نتیجہ ہوگا کہ وہ سب
کتابیں اپنے تناقض کی وجہ سے ردی اور ناقابل اعتبار قرار دی جائیں گی اور ہر گرجا نہیں
ہوگا کہ ایسے متناقض بیانات کو کسی علم کا ذریعہ ٹھہرایا جائے کیونکہ علم کی یہ تعریف ہے کہ
ایک یقینی معرفت عطا کرے اور مجموعہ متناقضات میں یقینی معرفت کا پایا جانا ممکن نہیں ہے
یاد رہے کہ قرآن شریف صرف سماع کی حد تک محدود نہیں ہے کیونکہ اس میں انسانوں کے
سمجھانے کے لئے بڑے بڑے معقول دلائل ہیں اور جعفر عقیقہ اور اصول اور احکام
اس نے پیش کیے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا امر نہیں جس میں زبردستی اور حکم ہو جیسا
کہ اس نے خود فرمادیا ہے کہ یہ سب عقائد وغیرہ انسان کی فطرت میں پہلے سے منقوش ہیں
اور قرآن شریف کا نام ذکر رکھا ہے جیسا کہ فرماتا ہے **هَذَا ذِكْرُ مُبَاسَرَاتِكَ** یعنی قرآن
بابرکت کوئی نئی چیز نہیں لایا بلکہ جو کچھ انسان کی فطرت اور صحیفہ قدرت میں بھرا پڑا ہے
اسکو یاد دلاتا ہے اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے **كَأَنَّهُ أَكْسَرُ الْكَافِي** یعنی یہ دین کوئی
بات جبر سے منوانا نہیں چاہتا بلکہ ہر ایک بات کے دلائل پیش کرتا ہے ماسوا اس کے قرآن
میں دلوں کو روشن کرنے کے لئے ایک روحانی خاصیت بھی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے
نُفْسَاءُ مَلَأَ الصُّدُورَ یعنی قرآن اپنی خاصیت سے تمام بیماریوں کو دور کرنا ہر
ایسے اسکو منقولی کتاب نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کے معقول دلائل اپنے ساتھ

رکھتا ہے اور ایک چمکتا ہوا نور اُس میں پایا جاتا ہے ایسا ہی عقلی دلائل جو صحیح مقدمہ سے مستنبط ہوئے ہوں بلاشبہ علم الیقین تک پہنچاتے ہیں اسی کی طرف اللہ جل شانہ آیات مندرجہ ذیل میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ وہ کتابہم اِن فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِخْتِلَافِ الْیَّسْرِ وَالنَّهَارِ لَا یَتَّوَلٰی الْاَلْبَابُ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلَیْ جُنُوْبِهِمْ وَّ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا اَبَاطِلًا مُّشْتَبَاٰتٍ فَعِنَّا عَدُوٌّ اَبَدٌ یعنی جب دانشمند اور اہل عقل انسان زمین اور آسمان کے اجرام کی بناوٹ میں غور کرتے اور رات دن کی کمی بیشی کے موجبات اور علل کو نظر عمیق سے دیکھتے ہیں انہیں اس نظام پر نظر ڈالنے سے خدا کے وجود پر دلیل ملتی ہے پس وہ زیادہ انکشاف کے لئے خدا سے مدد چاہتے ہیں اور اُس کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور کروٹ پر لیٹ کر یاد کرتے ہیں جس سے اُنکی عقلیں بہت صاف ہو جاتی ہیں پس جب وہ ان عقولوں کے ذریعہ سے اجرام فلکی اور زمینی کی بناوٹ احسن اور اولیٰ میں فکر کرتے ہیں تو بے اختیار بول اُٹھتے ہیں کہ ایسا نظام ابغ اور محکم ہرگز نہیں اور بے سود نہیں بلکہ صانع حقیقی کا چہرہ دکھلا رہا ہے پس وہ الوہیت صانع عالم کا اقرار کر کے یہ مناجات کرتے ہیں کہ یا اُکسی تو اس سے پاک ہے کہ کوئی تیرے وجود سے انکار کر کے الٰہی صفیوں سے تجھے موصوف کرے سو تو ہمیں دوزخ کی آگ سی پچا یعنی تجھ سے انکار کرنا عین دوزخ ہے اور تمام آرام اور راحت تجھ میں اور تیری شناخت میں ہے جو شخص کہ تیری سچی شناخت سے محروم رہا وہ درحقیقت اسی دنیا میں آگ میں ہے ۛ

ایسا ہی ایک علم کا ذریعہ انسانی کائنات بھی ہے جس کا نام خدا کی کتاب میں انسانی فطرت رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فِیْ طَرَفِ الْاَنْتِ فِطْرَتَ اللّٰهِ

عَلَيْهِمَا یعنی خدا کی فطرت جس پر لوگ پیدا کیے گئے ہیں اور وہ نقش فطرت کیا ہے
یہی کہ خدا کو واحد لا شریک خالق الکل مرنے اور پیدا ہونے سے پاک سمجھنا اور ہم
کائنات کو علم الیقین کے مرتبہ پر اس بیٹے کہتے ہیں کہ گو بظاہر اس میں ایک علم
سے دوسرے علم کی طرف انتقال نہیں پایا جاتا جیسا کہ دھوئیں کے علم سے آگ
کے علم کا ہر طرف انتقال پایا جاتا ہے لیکن ایک قسم کے باریک انتقال سے یہ مرتبہ
خالی نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک چیز میں خدا نے ایک نامعلوم خاصیت
رکھی ہے جو بیان اور تقریر میں نہیں آ سکتی لیکن اُس چیز پر نظر ڈالنے اور اُس کا
تصور کرنے سے بلا توقف اس خاصیت کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے غرض وہ
خاصیت اس وجود کو ایسی لازم پڑی ہوتی ہے جیسا کہ آگ کو دھواں لازم ہے
مثلاً جب ہم خدائے تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ کیسی ہونی چاہیئے
آیا خدا ایسا ہونا چاہیئے کہ ہماری طرح پیدا ہو اور ہماری طرح دکھ اٹھنا دے اور ہماری
طرح مرے تو معاً اس تصور سے ہمارا دل دکھتا اور کائنات کا نقشہ کا پتہ ہے اور اس قدر
جوش دکھلاتا ہے کہ گویا اس خیال کو دھکے دیتا ہے اور بول اٹھتا ہے کہ وہ خدا
جس کی طاقت و تہمت تمام امیدوں کا مہار ہے وہ تمام نقصانوں سے پاک اور کامل اور
قوی چاہیئے اور جب ہی کہ خدا کا خیال ہمارے دل میں آتا ہے معاً توحید اور خدا میں
دھوئیں اور آگ کی طرح بلکہ اس سے بہت زیادہ ملازمت تامہ کا احساس ہوتا ہے
لہذا جو علم ہمیں ہمارے کائنات کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے وہ علم الیقین کے مرتبہ
میں داخل ہے لیکن اس پر ایک اور مرتبہ ہے جو عین الیقین کہلاتا ہے اور اس مرتبہ
سے اس طور کا علم ہوا ہے کہ جب ہمارے یقین اور اُس چیز میں جس پر کسی نوع کا
یقین کیا گیا ہے کوئی درمیانی واسطہ نہ ہو مثلاً جب ہم قوت شامہ کے ذریعہ سے
ایک خوشبو یا بدبو کو معلوم کرتے ہیں اور یا ہم قوت ذائقہ کے ذریعہ سے شیرین یا

تکمیل پر اطلاع پاتے ہیں یا قوتِ حاسہ کے ذریعہ سے گرم یا سرد کو معلوم کرتے ہیں تو یہ
 تمام معلومات ہمارے عین الیقین کی قسم میں داخل ہیں مگر عالمِ ثانی کے بارے میں
 ہمارا علم الہیات تب عین الیقین کی حد تک پہنچتا ہے کہ جب خود بلا واسطہ ہم الہام پاویں
 خدا کی آواز کو اپنے کانوں سے سنیں اور خدا کے صدا اور صبیح کشفوں کو اپنی آنکھوں
 سے دیکھیں ہم بیشک کامل معرفت کے حاصل کرنے کے لیے بلا واسطہ الہام کے محتاج
 ہیں اور اس کامل معرفت کی ہم اپنے دل میں بھوک اور پیاس بھی پاتے ہیں اگر خدا
 تعالیٰ نے ہمارے لیے پہلے سے اس معرفت کا سامان میسر نہیں کیا تو یہ پیاس اور
 بھوک ہمیں کیوں لگا دی ہے کیا ہم اس زندگی میں جو ہماری آخرت کے ذخیرہ کیلئے
 میم ایک پیاز ہے اس بات پر راضی ہو سکتے ہیں کہ ہم اُس سچے اور کامل اور قادر اور
 زندہ خدا پر صرف قصوں اور کہانیوں کے رنگ میں ایمان لاویں یا محض عقلی
 معرفت پر کفایت کریں جو اب تک ناقص اور ناتمام معرفت ہے کیا خدا کے سچے عاشقوں
 اور حقیقی دلدادوں کا دل نہیں چاہتا کہ اُس محبوب کے کلام سے لذت حاصل
 کریں کیا جنہوں نے خدا کے لیے تمام دنیا کو برباد کیا دل کو دیا جان کو دیدادہ اس
 بات پر راضی ہو سکتے ہیں کہ صرف ایک دھندلی سی روشنی میں کھڑے رہ کر مرتے
 رہیں اور اُس آفتابِ صداقت کا منہ نہ دیکھیں کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اُس زندہ
 خدا کا انا الموجود کہنا وہ معرفت کا مرتبہ عطا کرتا ہے کہ اگر دنیا کے تمام سفروں
 کی خود تراشیدہ کتابیں ایک طرف رکھیں اور ایک طرف انا الموجود خدا کا کہنا تو
 اسکے مقابل وہ تمام دفترِ میچ ہیں جو فلاسفر کھلا کر اندھے رہے وہ ہمیں کیا سکھائیں گے
 غرض اگر خدا نے تعالیٰ نے حق کے طالبوں کو کامل معرفت دینے کا ارادہ فرمایا ہے تو
 ضرور اُس نے اپنے مکالمہ اور مخاطبہ کا طریق کھلا رکھا ہے اس بارے میں اللہ جل شانہ
 قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِي

أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی اے خدا ہمیں وہ استقامت کی راہ بتلا جو راہ اُن لوگوں کی ہے خیر ترین انعام ہوا ہے۔ اسجگہ انعام سے مراد الہام اور کشف وغیرہ آسمانی علوم ہیں جو انسان کو براہ راست ملتے ہیں ایسا ہی ایک دوسری جگہ فرماتا ہے
 إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَفْهَمُوا سُبُلَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَشْرَفُ الْمَلَكُوتِ
 آ لَا تَخَافُوهُمَ وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ
 یعنی جو لوگ خدا پر ایمان لا کر پوری پوری استقامت اختیار کرتے ہیں اُن پر خدا تعالیٰ کے فرشتے اترتے ہیں اور یہ الہام اُن کو کرتے ہیں کہ تم کچھ خوف اور غم نہ کرو تمہارے لیے وہ بہشت ہے جس کے بارے میں تمہیں وعدہ دیا گیا ہے سو اس آیت میں بھی صاف لفظوں میں فرمایا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے نیک بندے غم اور خوف کی بوقت خدائے الہام پاتے ہیں اور فرشتے اُن کو رانگی تسلی کرتے ہیں اور پھر ایک اور آیت میں فرمایا ہے
 لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ
 یعنی خدا کے دوستوں کو الہام اور خدا کے مکالمہ کے ذریعہ سے اس دنیا میں خوشخبری ملتی ہے اور آئندہ زندگی میں بھی ملے گی لیکن اسجگہ یاد رہے کہ الہام کے لفظ سے اسجگہ یہ مراد نہیں ہے کہ سوچ اور فکر کی کوئی بات دل میں پڑ جائے جیسا کہ جب شاعر شعر کے بنانے میں کوشش کرتا ہے یا ایک مصرع بنا کر دوسرا سوچتا رہتا ہے تو دوسرا مصرع دل میں پڑتا ہے سو یہ دلیلیں پڑ جانا الہام نہیں ہے بلکہ یہ خدا کے قانون قدرت کے موافق اپنے فکر اور سوچ کا ایک نتیجہ ہے جو شخص اچھی باتیں سوچتا ہے یا بری باتوں کے لیے فکر کرتا ہے اسکی تلاش کے موافق کوئی بات ضرور اُس کے دل میں پڑ جاتی ہے ایک شخص مثلاً نیک اور راست باز آدمی ہے جو سچائی کی حمایت میں چند شعر بناتا ہے اور دوسرا شخص جو ایک گندہ اور پلید آدمی ہے اپنے شعروں میں جھوٹ کی حمایت کرتا ہے اور راست بازوں کو گالیاں نکالتا ہے

تو بلاشبہ یہ دونوں کچھ نہ کچھ شعر بنالیں گے بلکہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ راستبازوں کا دشمن جو جھوٹ کی حمایت کرتا ہے باعث دائمی مشق کے اس کا شعر عمدہ ہو سوا کہ صرف دل میں پڑ جانے کا نام الہام ہے تو پھر ایک بد معاش شاعر جو راستبازی اور راستبازوں کا دشمن اور ہمیشہ حق کی مخالفت کے لیے قلم اٹھاتا اور افتراؤں سے کام لیتا ہے خدا کا ملہم کہلائیگا دنیا میں ناولوں وغیرہ میں جادو بیانیوں پائی جاتی ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ اطرع سراسر باطل مگر مسلسل مضمون لوگوں کے دلوں میں پڑتے ہیں پس کیا ہم اُن کو الہام کہہ سکتے ہیں بلکہ اگر الہام صرف دلیں بعض باتیں پڑ جانے کا نام ہے تو ایک چور بھی ملہم کہلا سکتا ہے کیونکہ وہ بسا اُدا فکر کے اچھے اچھے طریق نقب زنی کے نکال لیتا ہے اور عمدہ عمدہ تدبیریں ڈاکہ مارنے اور خون ناحق کرنے کی اُسکے دل میں گزر جاتی ہیں تو کیا لائق ہے کہ ہم اُن کا نام پاک طریقوں کا نام الہام رکھیں ہرگز نہیں بلکہ یہ اُن لوگوں کا خیال ہے جن کو اب تک اُس سچے خدا کی خبر نہیں جو آپ خاص مکالمہ سے دلوں کو تسلی دیتا اور نادانفوں کو روحانی علوم سے معرفت بخشتا ہے الہام کیا چیز ہے وہ پاک اور قادر خدا کا ایک برگزیدہ بندہ کے ساتھ یا اُسکے ساتھ جسکو برگزیدہ کرنا چاہتا ہے ایک ذرہ اور با قدرت کلام کے ساتھ کلام اللہ اور مخاطبہ ہے سو جب یہ مکالمہ اور مخاطبہ کافی اور تسلی بخش سلسلہ کے ساتھ شروع ہو جائے اور اس میں خیالات فاسدہ کی تاریکی نہ ہو اور نہ بخیر مکتفی اور چند بے سرو پا لفظ ہوں اور کلام لذیذ اور پر حکمت اور پر شوکت ہو تو وہ خدا کا کلام ہے جس سے وہ اپنے بندے کو تسلی دینا چاہتا ہے اور اپنے تئیں اُس پر ظاہر کرتا ہے ہاں کبھی ایک کلام محض امتحان کے طور پر ہوتا ہے اور پورا اور بابرکت سامان ساتھ نہیں رکھتا اس میں خدا نے تعالیٰ کے بندہ کو اسکی ابتدائی حالت میں آزمایا جاتا ہے تا وہ ایک ذرہ الہام کا مزہ

چکھ کر مجھ واقعی طور پر اپنا حال و حال سچے لہروں کی طرح نواسے یا ٹھوکر کھاوے پس اگر
 وہ حقیقی راستبازی اور یقین کی طرح اختیار نہیں کرتا تو اس نعمت کے کمال سے محروم رہ
 جاتا ہے اور صرف یہود و لات زنی اسکے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ وہ ایک بندوں کو الہام
 ہوتا رہا ہے مگر انکھام تہ خدا کے نزدیک ایک درجہ کا نہیں بلکہ خدا کے پاک نبی جو پہلے درجہ
 پر کمال صفائی سے خدا کا الہام پانیا ہے ہیں وہ بھی مرتبہ میں برابر نہیں خدا نے تعالیٰ
 فرماتا ہے **ثَلَاثَ الشُّرُكِ فَهُمْ مُنَافِقُونَ** یعنی بعض نبیوں کو بعض
 نبیوں پر فضیلت ہے اس ثابت ہوتا ہے کہ الہام محض فضل ہے اور فضیلت کے وجود
 میں اسکو دخل نہیں بلکہ فضیلت اس صدق اور اخلاص اور وفاداری کے قدر پر ہے
 جو خدا جانتا ہے ہاں الہام بھی اگر اپنی بابرکت شرائط کے ساتھ ہو تو وہ بھی انکا ایک
 پھل ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر اس رنگ میں الہام ہو کہ بندہ سوال کرتا ہے اور
 خدا اسکا جواب دیتا ہے اسی طرح ایک ترتیب کے ساتھ سوال و جواب ہو اور اکی شہادت
 اور نور الہام میں پایا جاوے اور علوم غیبی یا معارف صحیحہ پر مشتمل ہو تو وہ خدا کا الہام ہے
 خدا کے الہام میں یہ ضروری ہے کہ جس طرح ایک دوست دوسرے دوست سے ملکر ناہم
 ہمکلام ہوتا ہے اسی طرح رب اور اسکے بندے میں ہمکلامی واقع ہو اور جب کسی امر میں
 سوال کرے تو اسکے جواب میں ایک کلام لہزدہ فصیح خدا نے تعالیٰ کی طرف سے سننے
 جس میں اپنے نفس اور فکر اور غور کا کچھ بھی دخل نہ ہو اور وہ مکالمہ اور مخاطب اس کے
 لیے مہمبت ہو جائے تو وہ خدا کا کلام ہے اور ایسا بندہ خدا کی جناب میں عزیز ہے
 مگر یہ درجہ کہ الہام بطور مہمبت ہو اور زندہ اور پاک الہام کا سلسلہ ایسے بندہ سے خدا کو
 حاصل ہو اور صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ ہو یہ کسی کو نہیں ملتا بجز ان لوگوں کے
 جو ایمان اور اخلاص اور اعمال صالحہ میں ترقی کریں اور نیز اس چیز میں جس کو ہم بیان
 نہیں کر سکتے سچا اور پاک الہام الوہیت کے بڑے بڑے کرشمہ دکھلاتا ہے بارہ ایک

اور کیا ہوگا کہ طعم اُس ذات سے باتیں کرتا ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کر نیوالا ہے دنیا میں خدا کا دیدار یہی ہے کہ خدا سے باتیں کرے مگر اس ہمارے بیان میں انسان کی وہ حالت داخل نہیں ہے جو کسی کی زبان پر بے ٹھکانہ کوئی لفظ یا فقرہ یا شعر جاری ہو اور ساتھ اس کوئی مکالمہ اور مخاطبہ نہ ہو بلکہ ایسا شخص خدا کے امتحان میں گرفتار ہے کیونکہ خدا اس طبقے سے بھی سُست اور غافل بندوں کو آتا ہے کہ کبھی کوئی فقرہ یا عبارت کسی کے دل پر یا زبان پر جاری کیجاتی ہے اور وہ شخص اندھے کی طرح ہو جاتا ہے نہیں جانتا کہ وہ عبارت کہاں سے آئی خدا سے شیطان سے سو ایسے فقرات سے استغفار لازم ہے لیکن اگر ایک صلح اور نیک بندہ کو بے حجاب مکالمہ لکھی شروع ہو جائے اور مخاطبہ اور مکالمہ کے طور پر ایک کلام روشن لہذا پر معنی پر حکمت پوری شوکت کے ساتھ اس کو سنائی دے اور کم سے کم بارہا اس کو ایسا اتفاق ہو کہ خدا میں اور اُس میں عین بیداری میں دس مرتبہ سوال و جواب ہو اور اس نے سوال کیا خدا نے جواب دیا پھر اُسی وقت عین بیداری میں اُس نے کوئی اور عرض کی اور خدا نے اُس کا بھی جواب دیا پھر گذارش عاجزانہ کی خدا نے اُس کا بھی جواب عطا فرمایا ایسا ہی دس مرتبہ تک خدا میں اور اُس میں باتیں ہوتی رہیں اور خدا نے بارہا ان مکالمات میں اُس کی دعائیں منظور کی ہوں عمدہ عمدہ معارف پر اس کو اطلاع دی ہو انمولے واقعات کی اس کو خبر دی ہو اور اپنے برہنہ مکالمہ سے بار بار کے سوال و جواب میں اس کو شرف کیا ہو تو ایسے شخص کو خدا نے تعالیٰ کا بہت شکر کرنا چاہیے اور سب سے زیادہ خدا کی راہ میں فدا ہونا چاہیے کیونکہ خدا نے محض اپنے کرم سے اپنے تمام بندوں میں سے اُسے چن لیا اور اُن صدیقوں کا اُس کو وارث بنا دیا جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں نہایت نہایت ہی نادر الوقوع اور خوش قسمتی کی بات ہے جس کو ملی اسکے بعد جو کچھ ہے وہ بیچ، اس مرتبہ اور اس مقام کے لوگ اسلام میں ہمیشہ ہوتے رہے ہیں اور ایک اسلام ہی ہے

جس میں خدا بندہ سے قریب ہو کر اس سے باتیں کرتا اور اسکے اندر بولتا ہے وہ اُس کے دل میں اپنا تخت بناتا اور اس کے اندر سے اُسے آسمان کی طرف کھینچتا ہے اور اُس کو وہ سب نعمتیں عطا فرماتا ہے جو پہلوں کو دی گئیں افسوس اندھی دنیا نہیں جانتی کہ انسان نزدیک ہوتا ہوا کتنا تک پہنچ جاتا ہے وہ آپ تو قدم نہیں اٹھاتے اور جو قدم اٹھاتا تو یا تو اُس کو کا فر ٹھہرایا جاتا ہے اور یا اُس کو مجبور و ٹھہرا کر خدا کی جگہ دی جاتی ہے یہ دونوں ظلم ہیں ایک افراط ہے ایک تفریط سے پیدا ہوا اگر عقلمند کو چاہیے کہ وہ کم ہمت نہ ہو اور اس مقام اور اس مرتبہ کا انکاری نہ رہے اور صاحب اس مرتبہ کی کسر شان نہ کرے اور نہ اس کی پوجا شروع کر دے اس مرتبہ پر خدائے تعالیٰ وہ تعلقات اس بندہ سے ظاہر کرتا ہے کہ گو اپنی الوہیت کی چادر اُس پر ڈال دیتا ہے اور ایسا شخص خدا کے دیکھنے کا آئینہ بن جاتا ہے یہی بعید ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھے دیکھا اُس نے خدا کو دیکھ لیا غرض یہ بندوں کے لیے انتہائی تنبیہ ہے اور اس پر تمام سلوک ختم ہو جاتے ہیں اور پوری تسلی ملتی ہے۔ میں بنی نوع پر ظلم کروں گا اگر میں اس وقت ظاہر نہ کروں کہ وہ مقام جسکی میں نے یہ تعریفیں کی ہیں اور وہ مرتبہ مکالمہ اور مخاطبہ کا جسکی میں نے اس وقت تفصیل بیان کی وہ خدا کی عنایت نے مجھے عنایت فرمایا ہے تا میں اندھوں کو بینائی بخشوں اور ڈھونڈنے والوں کو اُس گم گشتہ کا پتا دوں اور سچائی قبول کرنے والوں کو اُس پاک چشمہ کی خوشخبری سناؤں جس کا تذکرہ بہتوں نہیں ہے اور پانیوالے تھوڑے ہیں میں سامعین کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ خدا جس کے ملنے میں انسان کی نجات اور دائمی خوشحالی ہے وہ بحر قرآن شریف کی پیروی کے ہرگز نہیں مل سکتا کاش جو میں نے دیکھا ہے لوگ دیکھیں اور جو میں نے سنا ہے وہ سنیں اور قصوں کو چھوڑ دیں اور حقیقت کی طرف دوڑیں وہ کامل علم کا ذریعہ جس سے خدا نظر آتا ہے وہ میل اتار نیوالا پانی جس سے تمام تشکوک دور ہو جاتے ہیں وہ آئینہ

جس سے اُس برتر ہستی کا دشمن ہو جانا ہے ذرا کا وہ مکالمہ اور مخاطبہ ہے جس کا ہم اُنھی
 ذکر کر چکا ہوں جس کی روح میں سچائی کی طلب ہے وہ اُنھیں اور تلاش کرے جس سچ
 سچ کہتا ہوں کہ اگر وہ حوں میں سچائی تلاش پیدا ہوا اور دلوں میں سچائی پیاس لگ جائے تو
 لوگ اس طریق کو ڈھونڈیں اور اس راہ کی تلاش میں لگیں مگر یہ راہ کس طریق سے
 کھلی گی اور حجاب کس دوا سے اُٹھیکے جائیں سب طالبوں کو یقین دلاتا ہوں کہ صرف
 اسلام ہی ہے جو اس راہ کی خوشخبری دیتا ہے اور دوسری قومیں تو خدا کے الہام پر
 مدت سے مہر لگا چکی ہیں سو یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کی طرف سے مہر نہیں بلکہ مہر وحی کی
 وجہ سے انسان ایک حیلہ پیدا کر لیتا ہے اور یقیناً سمجھو کہ جیلج یہ ممکن نہیں کہ ہم غیر
 انکھدوں کے دیکھ سکیں یا بغیر کانوں کے سن سکیں یا بغیر زبان کے بول سکیں اسی طرح
 یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ بغیر قرآن کے اُس پیارے محبوب کا منہ دیکھ سکیں ؟
 میں جو ان تھاب بوڑھا ہوا لکھ بیٹے کوئی نہ پائیا جس نے بغیر اس پاک چشمہ کے
 اس کھلی کھلی معرفت کا پیالہ پیا ہو۔

اے عزیزو! اے پیارو! کوئی انسان خدا کے ارادہ دل میں اس سے لڑائی نہیں
 کر سکتا یقیناً سمجھو کہ کامل علم کا ذریعہ خدا ہے تعالیٰ کا الہام ہے جو خدا نے تعالیٰ کے
 پاک نبیوں کو ملا پھر بعد اُس کے اُس خدا نے جو دریا ہے فیض ہے یہ ہرگز نہ چاہا کہ آئندہ
 اس الہام کو مہر لگا دے اور اُٹھ پر دنیا کو تباہ کر دے بلکہ اُس کے الہام اور مسئلے اور
 مخاطبے کے ہمیشہ دروازے کھلے ہیں۔ ہاں انکو انکی راہوں سے ڈھونڈ و تب وہ
 آسانی سے تمھیں ملیں گے وہ زندگی کا پانی آسمان سے آیا اور مناسبت مقام پر چھرا اب
 تمھیں کیا کرنا چاہیئے تا تم اس پانی کو پی سکو یہی کرتا چاہیئے کہ افغان و خیزاں اس چشمہ
 تک پہنچو پھر اپنا منہ اس چشمہ کے آگے رکھو و اُس زندگی کے پانی سے سیراب ہو جاؤ
 انسان کی تمام سعادت اسی میں ہے کہ جہاں روشنی کا پتا ملے اسی طرف دوڑے

اور جہاں اس گم گشت دوست کا نشان پیدا ہو اسی راہ کو اختیار کرے دیکھتے ہو کہ ہریش آسمان سے روشنی اُترتی اور زمین پر پڑتی ہے اسی طرح ہدایت کا سچا نور آسمان سے ہی اُترتا ہے انسان کی اپنی ہی باتیں اور اپنی ہی انگلیں سچا گمان آسکو نہیں بخش سکتیں کیا تم خدا کو بغیر خدا کی تجلی کے یا سکتے ہو کیا تم بغیر اس آسمانی روشنی کے اندھیرے میں دیکھ سکتی ہو اگر دیکھ سکتے ہو تو شاید سوچو گے بھی دیکھ لو گے ہماری آنکھیں گویا مینا ہوں تاہم آسمانی روشنی کی محتاج ہیں اور ہمارے کان گوشہ ہوں تاہم اس ہوا کے حاجت مند ہیں جو خدا کی طرف سے چلتی ہے وہ خدا سچا خدا نہیں ہے جو خاموش ہے اور سارا مدار ہماری اُسکوں پر بلکہ کامل اور زندہ خدا وہ ہے جو اپنے وجود کا آپ بیتی دیتا رہا ہے اور اب بھی اُس نے یہی چاہا ہے کہ آپ اپنے وجود کا اپنے دیوے آسمانی لکھنیاں کھلنے کو میں عنقریب صبح صادق ہونے والی ہے مبارک وہ جو اٹھ بیٹھیں اور اب سچے خدا کو دھوڑیں وہی خدا جس پر کوئی گردش اور مصیبت نہیں آتی جس کے جلال کی چمک پر بھی حادثہ نہیں پڑتا قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰهُ نُورٌ وَالنُّوْرُ وَاللّٰهُ وَکَلَّیْنِ یعنی خدا ہی ہے جو ہر دم آسمان کا نور اور زمین کا نور ہے اُسی سے ہر ایک جگہ روشنی پڑتی ہے آفتاب کا وہی آفتاب زمین کے تمام جانداروں کی ہی جان ہے سچا زندہ خدا وہی ہے مبارک وہ جو اسکو قبول کرے ۲

تیسرا حکم کا ذریعہ وہ امور ہیں جو حق الیقین کے مرتبہ پر ہیں اور وہ تمام شہداء اور صحابہ اور تکالیف ہیں جو خدا کے نبیوں اور رسلوں کو مخالفوں کے ہاتھ سے یا آسمانی قضاء و قدر سے پہنچتے ہیں اور اس قسم کے دکھوں اور تکالیفوں سے وہ تمام شرعی ہدایتیں جو محض علمی طور پر انسان کے دل میں نہیں اسپر وارد ہو کر عملی رنگ میں آجاتی ہیں اور پھر عمل کی زمین سے نشوونما پا کر کمال تام تک پہنچ جاتی ہیں اور عمل کرنے والوں کا اپنا ہی وجود ایک نسخہ مکمل خدا کی ہدایتوں کا ہو جاتا ہے اور

وہ تمام اخلاق عفو اور انتقام اور تہر اور رحم وغیرہ جو صرف دماغ اور دل میں
 بھرے ہوئے تھے اب تمام اعضاء کو عملی مزاوت کی برکت سے اُسے حصہ ملتا ہے
 اور وہ تمام جسم پر وارد ہو کر اپنے نقش و نگار اپنے جادو دیتے ہیں جیسا کہ اللہ جل جلالہ
 فرماتا ہے وَلَسْبَلُوْكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجَوْعِ وَتَقْصِيْرِ الْمَالِ
 وَالْأَنْفُسِ وَالْأَمْوَالِ وَبَشِيْرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ
 مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلّٰهِ وَأَنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ هَٰؤُلَاءِكَ عَلَيْهِمْ
 صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ هَلَسْبَلُوْكُمْ
 فِيْ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَسْمَعْنُ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ
 مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ آخَرُواكُمْ أَدْنَىٰ كَيْثَرًا ط وَإِنْ تَصْبِرُوا
 وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْهِ الْأُمُورِ ہ یعنی ہم تمہیں خوف اور فاقہ
 اور مال کے نقصان اور جان کے نقصان اور کوشش ضائع جانے اور اولاد کے فوت
 ہونے سے آزمائیں گے یعنی یہ تمام تکلیفیں قضاء قدر کے طور پر یا دشمن کے ہاتھ پر تمہیں
 پہنچنے کی سو ان لوگوں کو خوشخبری ہو جو مصیبت کے وقت صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے
 ہیں اور خدا کی طرف رجوع کر چکے ان لوگوں پر خدا کا درود اور رحمت ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو
 ہدایت کے کمال تک پہنچ گئے ہیں یعنی محض اس علم میں کچھ شرف اور بزرگی نہیں جو صرف
 دماغ اور دل میں بھرا ہوا ہو بلکہ حقیقت میں علم وہ ہے کہ دماغ سے اتر کر تمام اعضاء اس
 ستاد پر اور زمین پر ہو جائیں اور حافظہ کی یادداشتیں عملی رنگ میں دکھائی دیں سو علم کے
 مستحکم کرنے اور اُسکے ترقی دینے کا یہ بڑا ذریعہ ہے کہ علمی طور پر اسکے نقوش اپنے اعضاء میں
 جمائیں کوئی ادنیٰ علم بھی عملی مزاوت کے بغیر اپنے کمال کو نہیں پہنچتا شلا مروت دراز سے
 ہمارے علم میں یہ بات ہے کہ روٹی پکانا نہایت ہی سہل بات ہے اور اس میں کوئی زیادہ باریکی
 نہیں صرف اتنا ہے کہ آٹا گوندھ کر اور بقدر ایک ایک روٹی کے اس آٹے کے پیسے بنا دیں

اور انکو دونوں ہاتھوں کے باہم ملانے سے چوڑے کر کے تو بے پروا الدین اور ادھر
ادھر پھیر کر اور آگ پر سینک کر رکھ لیں روٹی پک جائے گی یہ تو ہماری صرف علمی لاف
گردان ہے لیکن جب ہم باخبرہ کاری کی حالت میں پکانے لگیں گے تو ادل ہم پر ہی مصیبت
پڑیگی کہ آٹے کو اسکے مناسب قوام پر رکھ سکیں بلکہ یا تو پتھر سا رہیگا اور یا تپتا ہو کر ٹکڑوں
کے لائق ہو جائیگا اور اگر دھڑ کر اور تھک تھک کر گوندھ بھی لیا تو روٹی کا یہ حال ہوگا کہ
کچھ جلے گی اور کچھ کچی رہے گی بیچ میں ٹکیا رہیگی اور کئی طرف سے کان بھلے ہو کر سوئنگے
حالانکہ سچاس برس تک ہم بستی ہوئی دیکھتے رہے غرض مجرد علم کی شامت سے جو عملی مشق کے
بیچے نہیں آیا کئی سیراٹے کا نقصان کرینگے پھر جبکہ ادنیٰ ادنیٰ سی بات میں ہمارے علم کا یہ
حال ہے تو بڑے بڑے امور میں بجز عملی مزاوت اور مشق کے صرف علم پر کیا کھیرو
رکھیں سو خدا نے تعالیٰ ان آیتوں میں یہ سکھانا ہے کہ جو مصیبتیں میں تم پر ڈالتا ہوں
بھی علم اور تجربہ کا ذریعہ ہیں یعنی اسے تمھارا علم کامل ہوتا ہے اور پھر آگے فرماتا ہے
کہ تم اپنے مالوں اور جانوں میں بھی آزمائے جاؤ گے لوگ تمھارے مال لوٹیں گے تمھیں
قتل کرینگے اور تم یہودیوں اور عیسائیوں اور مشرکوں کے ہاتھ سے بہت ہی ستاؤ جاؤ گے
وہ بہت کچھ انداز کی باتیں تمھارے حق میں کہیں گے پس اگر تم صبر کرو گے اور بجا باتوں
سے بچو گے تو یہ ہمت اور بہادری کا کام ہوگا۔ ان نہام آیات کا مطلب یہ ہے کہ بابرکت
علم وہی ہوتا ہے جو عمل کے مرتبہ میں اپنی چمک دکھاوے اور منحوس علم وہ ہے جو صرف
علم کی حد تک رہے کبھی عمل تک نہ پہنچے :

جاننا چاہیے کہ کس طرح مال تجارت سے بڑھتا ہے اور بچھوڑتا ہے ایسا ہی علم عملی مزاوت
سے اپنے روحانی کمال کو پہنچتا ہے۔ سو علم کو کمالات تک پہنچانیکا بڑا ذریعہ عملی مزاوت ہے
مزاوت سے علم میں نور آجاتا ہے اور بھی سمجھو کہ علم کا حق الباقین کے مرتبہ تک پہنچنا
اور کیا ہوتا ہے یہی تو ہے عملی طور پر ہر ایک گوشہ اس کا آزما یا جائے چنانچہ اسلام میں

ایسا ہی ہوا جو کچھ خدائے تعالیٰ نے قرآن کے ذریعہ سے لوگوں کو سکھایا انکو یہ موقعہ دیا کہ علی طور پر اس تعلیم کو چمکا دیں اور اسکے نور سے پُر ہو جاویں اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح کو دو حصوں میں منقسم کر دیا ایک حصہ دکھوں اور مصیبتوں اور تکلیفوں کا اور دوسرا حصہ فتحیابی کا تا مصیبتوں کے وقت میں وہ فتنی ظاہر ہوں جو مصیبتوں کے وقت ظاہر کرتے ہیں اور فتح اور اقتدار کے وقت میں وہ خلق ثابت ہوں جو بغیر اقتدار کے ثابت نہیں ہوتے سو ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قسم کے اخلاق دونوں زمانوں اور دونوں حالتوں کے وارد ہونے سے کمال وضاحت سے ثابت ہو گئے چنانچہ وہ مصیبتوں کا زمانہ جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تیرہ برس تک مکہ معظمہ میں شامل حال رہا اُس زمانہ کی سوانح پڑھنے سے نہایت واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اخلاق جو مصیبتوں کے وقت کامل راستباز کو دکھلانے چاہئیں یعنی خدا پر توکل رکھنا اور جزع فرع سحر کارہ کرنا اور اپنے کام میں سست نہ ہونا اور کسی کے رعب سے نہ ڈرنا ایسے طور پر دکھلا دیے جو کفار ایسی استقامت کو دیکھ کر ایمان لائے اور شہادت دی کہ جب تک کسی کا پورا بھروسہ خدا پر نہ ہو تو اس استقامت اور اس طور سے دکھوں کی برداشت نہیں کر سکتا اور پھر جب دوسرا زمانہ آیا یعنی فتح اور اقتدار اور ثروت کا زمانہ تو اُس زمانہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق عفو اور سخاوت اور شجاعت کے ایسے کمال کے ساتھ صفا در ہوئے جو ایک گروہ کثیر کفار کا انہی اخلاق کو دیکھ کر ایمان لایا دکھ دینے والوں کو بخشتا اور شہر سے نکالنے والوں کو امن دیا انکے محتاجوں کو مال سے مالا مال کر دیا اور قابو پا کر اپنے بڑے بڑے دشمنوں کو بخشتا یا چنانچہ بہت سے لوگوں نے انکو اخلاق دیکھ کر گو ایسی دی کہ جب تک کوئی خدا کی طرف سے اور حقیقتہً راستباز نہ ہو یہ اخلاق ہرگز دکھلا نہیں سکتا یہی وجہ ہے کہ آپ کے دشمنوں کے پرانے کینے یک نخت دور ہو گئے

آپ کا بڑا بھاری مُلق جن کو اپنے ثابت کر کے دکھلا دیا وہ مُلق تھا جو قرآن شریف میں
 ذکر فرمایا گیا ہے اور وہ یہ ہے قُلْ اِنْ صَلَوٰتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ
 رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی انکو کہہ دی کہ میری عبادت اور میری قربانی اور میرا ہر تا اور میرا ہر
 خدا کی راہ میں ہے یعنی اُس کا جلال ظاہر کرنے کیلئے اور نیز اُس کے بندوں کے آرام
 دینے کے لئے ہے تا میرے مرنے سے انکو زندگی حاصل ہوا سچا جو خدا کی راہ میں
 اور بندوں کی بھلائی کے لئے مرنیکا ذکر کیا گیا ہے اس سے کوئی یہ خیال نہ کرے
 کہ اپنے نعوذ باللہ جانوں یا دیوانوں کی طرح درحقیقت خود گمشدگی کا ارادہ کر لیا تھا
 اس وہم سے کہ اپنے نہیں کسی آگے قتل کے ذریعہ سے ہلاک کر دینا اور نیکو فائدہ
 پہنچا بیگا بلکہ آپ ان بیہودہ باتوں کے سخت مخالف تھے اور قرآن ایسی خود گمشدگی کے
 مرتکب کو سخت مجرم اور قابل سزا ٹھہراتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَلَا تَلْقَوْا بِآيٰةٍ كُنتُمْ
 اِلٰلَہُ لَکُمْ یعنی خود گمشدگی نہ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنی موت کے باعث نہ ٹھہرو
 اور یہ ظاہر ہے کہ اگر مثلاً خالد کے پیٹ میں درد ہوا اور زید اُس پر رحم کر کے اپنا سر پھوڑ
 تو زید نے خالد کے حق میں کوئی نیکی کا کام نہیں کیا بلکہ اپنے سر کو احمقانہ حرکت سے
 ناحق پھوڑا نیکی کا کام تب ہوتا کہ جب زید خالد کی خدمت میں مناسب اور مفید طریق کے
 ساتھ سرگرم رہتا اور اُس کے لئے عمدہ دوائیں میسر کرتا اور طبابت کے قواعد کے موافق
 اس کا علاج کرتا مگر اُس کے سر کے پھوڑنے سے زید کو کوئی فائدہ نہ پہنچا ناحق اُس نے
 اپنے وجود کے ایک شریف عضو کو دکھ پہنچایا غرض اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی ہمدردی اور محنت اٹھانے سے بنی نفع کی رہائی کے
 لئے جان کو وقف کر دیا تھا اور دعا کے ساتھ اور تبلیغ کے ساتھ اور انکے جو رجحان
 اٹھانے کے ساتھ اور ہر ایک مناسب اور حکیمانہ طریق کے ساتھ اپنی جان اور اپنے
 آرام کو اس راہ میں فدا کر دیا تھا جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے لَعَلَّکُمْ بَا سَخِ

نَفْسَكَ اَلَا يَكُونُ اَمْرًا مِّنْ اَمْرٍ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسَكَ عَلَيْهِمْ
 حسرت کیا تو اس غم اور اس سخت محنت میں جو لوگوں کے لیے اٹھا رہا ہے اپنے
 تئیں ہلاک کر دیکھا اور کیا ان لوگوں کے لیے جو حق کو قبول نہیں کرتے تو حسرتیں کھا
 کھا کر اپنی جان دیگا سو قوم کی راہ میں جان دینے کا حکیمانہ طریق یہی ہے کہ قوم کی
 بھلائی کے لیے قانون قدرت کے مفید راہوں کے موافق اپنی جان پر سختی اٹھا دیں
 اور مناسب تدبیروں کے بجالانے سے اپنی جان اپنے اندر کر دیں نہ یہ کہ قوم کو سخت
 بلا یا گمراہی میں دیکھ کر اور خطرناک حالت میں پا کر اپنے سر پر پتھر مار دیں یا دو تین
 رتی اسٹرکینیا کھا کر اس جہان سے رخصت ہو جائیں اور پھر گمان کریں کہ ہم نے
 اپنی اس حرکت بجا سے قوم کو نجات دیدی ہے یہ مردوں کا کام نہیں ہے زمانہ
 خصلتیں ہیں اور بے حوصلہ لوگوں کا ہمیشہ سے یہی طریق ہے کہ مصیبت کو قابل
 برداشت نہ پا کر جھٹ پٹ خود کشی کی طرف دوڑتے ہیں ایسی خود کشی کی گو
 بعد میں کتنی ہی تاویلیں کیجائیں مگر یہ حرکت بلاشبہ عقل اور عقلمندیوں کا ننگ ہے
 مگر ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا صبر اور دشمن کا مقابلہ نہ کرنا معتبر نہیں ہے جس انتقام
 کا موقعہ ہی نہ ملا کیونکہ کیا معلوم ہے کہ اگر وہ انتقام پر قدرت پاتا تو کیا کچھ کرتا
 جب تک انسان پر وہ زمانہ آوے جو ایک مصیبتوں کا زمانہ اور ایک مقدرت اور
 حکومت اور ثروت کا زمانہ ہو سو وقت تک اُسکے سچے اخلاق ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتے
 صاف ظاہر ہے کہ جو شخص صرف کمزوری اور ناداری اور بے اقتداری کی حالت
 میں لوگوں کی مایں کھا تا م جاوے اور اقتدار اور حکومت اور ثروت کا زمانہ
 نہ پاوے اُسکے اخلاق میں سے کچھ بھی ثابت نہ ہوگا اور اگر کسی میدان جنگ میں
 حاضر نہیں ہوا تو یہ بھی ثابت ہوگا کہ وہ دل کا بہادر تھا یا بزدل۔ اس کے اخلاق
 کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہم نہیں جانتے ہمیں کیا معلوم ہے کہ اگر وہ

اپنے دشمنوں پر قدرت پاتا تو اُن سے کیا سلوک بجالاتا اور اگر وہ دولت مند ہو جاتا تو اس دولت کو جمع کرتا یا لوگوں کو دیتا اور اگر وہ کسی میدان جنگ میں آتا تو دم دبا کر بھاگ جاتا یا بہادری کی طرح ہاتھ دکھاتا مگر خدا کی عنایت اور فضل نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اخلاق کے ظاہر کرنے کا موقع دیا چنانچہ سخاوت اور شجاعت اور حلم اور عفو اور عدل اپنے اپنے موقع پر ایسے کمال سے ظہور میں آئے کہ صفحہ دنیا میں اسکی نظیر و صوڈ نہ ملا حاصل ہے اپنے دونوں زمانوں میں ضعف اور قدرت اور ناداری اور ثروت میں تمام جہان کو دکھلا دیا کہ وہ ذات پاک کیسی اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی جامع تھی اور کوئی انسانی خلق اخلاق فاضلہ میں سے ایسا نہیں ہے جو اسکے ظاہر ہو نیکی لیے آپ کو خدائے تعالیٰ نے ایک موقع دیا شجاعت و سخاوت و استقلال و عفو و حلم وغیرہ وغیرہ تمام اخلاق فاضلہ ایسے طور پر ثابت ہو گئے کہ دنیا میں اسکی نظیر کا تلاش کرنا طلب محال ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جنہوں نے ظلم کو انتہا تک پہنچا دیا اور اسلام کو نابود کرنا چاہا خدائے انکو بھی بے سزا نہیں چھوڑا کیونکہ انکو بے سزا چھوڑنا گویا راستبازوں کو اٹکے پیروں کے نیچے ہلاک کرنا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیوں کی ہرگز یہ غرض نہ تھی کہ خواہ مخواہ لوگوں کو قتل کیا جائے وہ اپنے باپ دادا کے ملک سے نکالے گئے تھے اور بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں بے گناہ شہید کیے گئے تھے اور ابھی ظالم ظلم سے باز نہیں آتے تھے اور اسلام کی تعلیم کو روکتے تھے لہذا خدا کے قانون حفاظت نے یہ چاہا کہ مظلوموں کو بالکل نابود ہونے سے بچالے سو جنہوں نے تلوار اٹھائی تھی انہی کے ساتھ تلوار کا مقابلہ ہوا۔ غرض قتل کرنے والوں کا فتنہ فرو کرنے کے لیے بطور مدافعت شر کے وہ لڑائیاں تھیں اور اسوقت ہوئیں جبکہ ظالم طبع لوگ اہل حق کو نابود کرنا چاہتے تھے اس حالت میں اگر اسلام اس حفاظت خود اختیاری کو عمل میں نہ لاتا تو ہزاروں بچے اور عورتیں بے گناہ

قتل ہو کر آخر اسلام نابود ہو جانا یا در ہے کہ مخالفین کی یہ بڑی زبردستی ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ اداسی ہدایت ایسی ہونی چاہیے جس کے کسی مقام اور کسی محل میں شمول کے مقابلہ کی تعلیم نہ ہو اور ہمیشہ حکم اور نرمی کے پیراہہ میں اپنی محبت اور رحمت کو ظاہر کرے ایسے لوگ اپنی دانست میں خدا سے عزوجل کی بڑی تعظیم کر رہے ہیں کہ جو اسکی تمام صفات کاملہ کو صرف نرمی اور ملائمت پر ہی ختم کرتے ہیں لیکن اس معاملہ میں فکر اور غور کر نیا لوگوں پر باسانی کھل سکتا ہے کہ یہ لوگ بڑی موٹی اور فاش غلطی میں مبتلا ہیں خدا کے قانون قدرت پر نظر ڈالنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کے لیے وہ رحمت محض تو ضرور ہے مگر وہ رحمت ہمیشہ اور ہر حال میں نرمی اور ملائمت کی رنگ میں ظہور پذیر نہیں ہوتی بلکہ وہ ہر اس رحمت کے تقاضا سے طبیب حاذق کی طرح کبھی شربت شیریں ہمیں ملاتا اور کبھی دوائی تلخ دیتا ہے اسکی رحمت نوع انسان پر اس طرح وارد ہوتی ہے جیسے ہم میں سے ایک شخص اپنے تمام وجود پر رحمت رکھتا ہے اس بات میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک فرد ہم میں سے اپنے سارے وجود سے پیار رکھتا ہے اور اگر کوئی ہمارے ایک بال کو اکھاڑنا چاہے تو ہم اُسپر سخت ناراض ہوتے ہیں لیکن باوصف اس کے کہ ہماری محبت جو ہم اپنے وجود سے رکھتے ہیں ہمارے تمام وجود میں بٹتی ہوئی ہے اور تمام اعضاء ہمارے لیے پیارے ہیں ہم کسی کا نقصان نہیں چاہتے مگر پھر بھی یہ بات بدست ثابت ہے کہ ہم اپنے اعضاء سے ایک ہی درجہ کی اور کچھ اعلیٰ محبت نہیں رکھتے بلکہ اعضاء اور شریعت شریفہ کی محبت جنہر ہمارے مقاصد بہت کچھ مدارج ہمارے دلوں پر غالب ہوتی ہے ایسا ہی ہماری نظر میں ایک ہی عضو کی محبت کی نسبت مجموعہ اعضاء کی محبت بہت بڑھ کر ہوتی ہے پس جب کبھی ہمارے لیے کوئی ایسا قیوم آہڑتا ہے کہ ایک عضو کا سچا و ادنیٰ درجہ کے عضو کے زخمی کرنے یا کاٹنے یا توڑنے پر موقوف ہوتا ہے تو ہم جان کے بچانے کے لیے بلا تامل اسی عضو کے زخمی کرنے یا کاٹنے پر مستعد

ہو جاتے ہیں اور گو اس وقت ہمارے دل میں یہ سچ بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنے ایک پیارے عضو کو زخمی کرتے یا کاٹتے ہیں مگر اس خیال سے کہ اس عضو کا فساد کسی دوسرے شریف عضو کو بھی ساتھ ہی تباہ نہ کرے ہم کاٹنے کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں پس اسی مثال سے سمجھ لینا چاہیے کہ خدا بھی جب دیکھتا ہے کہ اسکے استباز باطل پرستوں کے ہاتھوں ہلاک ہوتے ہیں اور فساد پھیلتا ہے تو استبازوں کی جان کے بچاؤ اور فساد کے فرو کرنے کے لیے مناعب تدبیر ظہور میں لاتا ہے خواہ آسمان سے خواہ زمین سے اسیلئے کہ وہ جیسا کہ سراج حصہ ہے دیباہی حکیمت ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

تقریر حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب بھیروی میر مجلس جلسہ مذاہب لاہور

خدا نے تعالیٰ کی مہربانی اور اُس کا فضل اور اُسکی ربوبیت عاملہ اور اُسکی فضل جو خاص خاص بندوں پر ہوتا ہے اگر انسان کے شامل حال نہ ہے تو اُس کا وجود کب رہ سکتا ہے۔ منجملہ اُس کی مہربانیوں کے جو ہم پر بھل عطا فرمائی ہیں علم کے حاصل کرنے کے ذریعے اور اس کے مخازن میں جو عطا کیے ہیں۔ کاغذ کا اوراق بننا مطبوع کا جاری ہونا۔ پوسٹ آفسوں کی وہ ترقی کہ نہایت ہی کم چرچ پر ہم اپنے خیالات کو دور دراز ممالک میں پہنچا سکتے ہیں۔ پھر تار کا عمدہ انتظام۔ ریل اور جہاز کے ذریعہ سفر میں آسانی یہ تمام انعام آئی ہیں اگر انسان اسکا شکر ادا نہیں کرتا تو وہ ضرور عذاب میں گرفتار ہوگا لیکن جو شکر کرتا ہے خدا اُس میں بڑھوتی کرتا ہے۔ جیسے اپنے ابتدائی زمانہ میں دیکھا ہے جو کتنا میں نہیں شکل سے ملتی تھیں بلکہ جنکے دکھانے میں تامل اور مضائقہ ہوتا تھا تھوڑے زمانہ سے دیکھتے ہیں کہ قسطنطنیہ کی عہدہ

کتابیں اور ایسا ہی الجھ اڑ کر کش ٹیونس۔ طرابلس اور مصر سے آسانی کے ساتھ گھر
 پیچھے پہنچتی ہیں ہر ایک شخص کو واجب ہے کہ اس امن کے زمانہ میں اس نعمت الہی سے
 بڑا فائدہ حاصل کرے۔

مذہب میرے نزدیک ایسی چیز ہے کہ کوئی آدمی دنیا میں بغیر قانون کے زندگی
 بسر نہیں کر سکتا۔ گورنمنٹ کے قانون کی منشاء حقوق کی حفاظت ہے لیکن ان قانونوں
 پر عمل درآمد کرنے کے لیے جو حدود و بانڈھے گئے ہیں وہ اس قسم کے ہیں کہ اُن سے ممکن ہے
 کہ جرائم کا انسداد ہو لیکن محرکات جرائم کو روکنا ان کے احاطہ سے باہر ہے مثلاً یہ تو ممکن ہے
 کہ اگر کوئی شخص زنا بالجبر کا مرتکب ہو تو گورنمنٹ اُسے سزا دے لیکن بد نظری سے بد چیتوں
 سے بد خواہشوں سے جو انسان میں پیدا ہو کر اُس سے طرح طرح کے جرائم کراتی ہیں اس کا
 انسداد قانون گورنمنٹ سے باہر ہے۔ گورنمنٹ کا قانون انہیں نہیں روک سکتا ایسا
 قانون مذہب ہے جو ان امور سے ہم کو روکتا ہے ہمارے بعض افعال سے وہ باز رہیں
 ہوتا ہے اَفْهَمَ سَكَانَ مَوْجِئًا كَمَنْ سَكَانَ فَاِسْقَاكَ يَسْتَقْوَنَ یعنی مومن اور
 فاسق ایک جیسے نہیں اپنے معتقدات اور اعمال کے لحاظ سے وہ ایک دوسرے کے
 متصادی نہیں ایسے ہی ان کے اعمال ایک سان تاج مرتب نہیں کرتے یہ ایک مذہب کا
 ہی قانون ہے جس نے فاسق کو ان امور کے لیے بھی مجرم ٹھہرا کر اسے ان کے ارتکاب سے
 روکا ہے جن کا انسداد گورنمنٹ کے قانون سے باہر ہے چنانچہ بعض ایسی سیکاریاں
 بھی ہیں جو اگرچہ عقلاً نقلاً بُری نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور ایمان گورنمنٹ اور
 ایسے ہی سوسائٹی کے دوسرے افراد اُسے کامل بد اخلاقی سمجھتے ہیں لیکن تو بذاتِ خود
 گورنمنٹ یحیئیت گورنمنٹ اور نہ افراد سوسائٹی کوئی حکمی انسداد اُس کے نزدیک اپنے
 پاس رکھتے ہیں مثلاً شہر بھدری یا عیاشی جس میں فریقین راضی ہیں ایسے جرائم اور
 سیکاریوں کے انسداد کے لیے اگر کوئی قانون وضع ہو سکتا ہے تو وہ صرف مذہب کا ہی

قانون ہے جو نہ صرف ایسے جرائم کو ہی روکتا ہے بلکہ اُن خیالات اور خطرات نفس پر بھی اسکی حکومت ہے جو ان جرائم اور کج اخلاقیوں کے محرک ہوتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب انسان مدنی الطبع ہونیکے صورت میں ایک قانون کا طبقہ اور مجبوراً محتاج ہے تو وہ قانون صرف شریعت الہی ہے جس میں سیاست مدن کی تکمیل کا حق ہو سکتی ہے اور یہی شریعت اصلاح انسانی کے بیٹے اپنے اندر وہ طاقت رکھتی ہے اور اسی شریعت کو انسانی طبیعت پر اس قدر غلبہ ہے جو کسی گورنمنٹ کے قانون کو خواہ اُس میں کیسی ہی جاہلانہ طاقت کیوں نہ ہو نصیب نہیں۔ لہذا مذہب میں انسان کو دلچسپی پیدا کرنا گورنمنٹ کے قوانین امن کی حفاظت کی ضرورت سے ہی نہیں بلکہ خدمات سے محفوظ رکھنے کا پہلا باعث ہے اس ضروری چیز کے بیٹے فکر چاہیئے فکر ہے تو ضرورتوں کے موافق سامان بنجاتا ہے اسوقت جب ہمیں طرح طرح کے سامان خدائے تعالیٰ نے مہیا کر دیئے ہیں تو یہ گویا خدائے تعالیٰ کی ناشکری ہوگی اگر ہم ان خدا کی عطا کردہ نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر اُن قوانین پر غور نہ کریں جو خدا کی طرف سے مذہب نے مرتب کر کے ہمارے اعمال اور افعال کو ایسے ماتحت کیا ایسے نہایت ضروری ہے کہ ہم مذہب کی نگہبانی کریں اور یہ جلسہ اسی بیٹے قائم کیا گیا کہ ایسے میرے دل سے ہی دعا ہے کہ طرح کل کا دن امن و آرام سے گزراویسے ہی آج کا دن بھی گزرے؛

تقریر خاتمہ جلسہ مولانا صاحب مروت

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ (اُمّا بعد) ، أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ الْمَكِينِ

إِلَى النَّاسِ مِنْ شَرِّ أَلْوَقَمُوا اسْخَنَّا سِ الدِّي يَوْ شَوْسِ فِي
صُدُّو سِ النَّاسِ مِنَ الْحَقِّ وَالنَّاسِ ۝

صاحبان اس جلسہ کی ضرورت اور اسکی خوبی پھر جس حسن و خوبی اور کامل امن و امان کے ساتھ یہ جلسہ ختم ہوا ہے اس کا بیان میرا منشاء نہیں کیونکہ ضرورت کا بیان ابتداء جلسہ میں مناسب اور اسکی خوبی کا تذکرہ جلسہ کی بسم اللہ میں پسندیدہ ہے رہا امن و امان کا بیان وہ محتاج بیان نہیں کیونکہ عیاں را چہ بیاں۔ صاحبان! اس جلسہ کے غرض پر میں ریویو کر نیو کھڑا نہیں ہوا کیونکہ اول تو ریویو کرنا غرض جلسہ نہیں دوم میرے جیسے انسان کا یہ کام نہیں سوم اس کام کے ایسے بہت بڑے اوقات اور توجہات اور افکار و علوم کی ضرورت ہے ۝

صاحبان! میں اس قلیل سے قلیل وقت میں آخری تقریر کرنے کے ایسے مامور کیا گیا ہوں۔ میں کھڑے ہوتے حیران تھا کہ کیا کہوں مگر کھڑے ہونے اور جبرانی کے بعد یہی دل میں آ گیا کہ قرآن کریم کا خاتمہ جلسہ کے خاتمہ پر سنا دوں۔ قرآن شریف کتب سادہ کی خاتم اور اسکی یہ سورۃ کہ جسکو میں نے کھڑے ہو کر پڑھا ہے قرآن کریم کی خاتم ہے اس لئے اس سورۃ کو بڑی مناسبت ہوگی ۝

صاحبان! آپ تعجب کریں گے کہ اس سورۃ شریف میں کسی خاص مذہب کوئی خصوصیت سے جملہ نہیں جیسے اس پاک کتاب کی ابتدائی سورۃ سورہ فاتحہ میں ایسی تعلیم اور دعا ہے جو سادہ اور اخلاقی مذاہب میں کسی مذہب پر زور نہیں ۝

صاحبان! میں سورۃ کے پہلے ایک عربی کا ایسا فقرہ پڑھا ہے جسکو اسلام کامل اصول یقین کرنا چاہیے یعنی کلمہ طیبہ جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی ایسی چیز جس سے ہم کو کامل محبت۔ کامل تعلق۔ جو کامل مطلوب۔ غایت مقصود۔ اور معبود ہو اللہ تعالیٰ کے سوا نہیں ۝ دنیا میں جس قدر سادہ مذاہب آئے۔ سب ہی تعلیم لائے مگر دینوں

اور اس راہ کے دکھانیوالوں کی اتباع نے آخر ان توحید کے سکھانیوالوں سے چارہ دکھانیوالوں کو اللہ بنالیا مخلوق کو معبود بلکہ ان ہادیوں کو ہی خدا مان بیٹھے ان ہی سے کامل محبت۔ کامل تعلق انہی کو کامل مطلوب اور غایت مقصود قرار دیا اس واسطے خاتم الانبیاء نے اپنی عبودیت کے اقرار کو اس کا لازمی جزو قرار دیا تو کثرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر شرک میں گرفتار نہ ہو کیونکہ جب ہادی کامل کی عبودیت کو ہر وقت توحید کے ساتھ یاد رکھیں گے تو کسی دوسرے کو کیوں معبود بنانے لگے۔ مسلمان لوگ اسی واسطے علی العموم اس طرح شرک میں گرفتار نہیں طرح کا اور قہم اس کلمہ کے پڑھنے سے ایک مؤمن اپنا کامل مقصود۔ اپنا کامل معبود۔ اپنا کامل مطلوب اپنی غایت ایک ذات کو ٹھہراتا ہے جسے اللہ کہتے ہیں اور مقام شکر یہ ہے کہ عموماً جعفر تقریریں مختلف مذاہب کی طرف سے جلسہ میں ہوتیں انہوں نے بھی اس مطلوب حقیقی کی جہاں کی کہ جس کی شان میں لا الہ الا اللہ آیا اور اسکی یہاں سب نے گواہی دی؟

صاحبان! اس کلمہ کے بعد اب میں اس سورۃ کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں جسکو سننے پڑھا
 قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ - مَلِكِ النَّاسِ - اِلٰهِ النَّاسِ - اس سورہ شریف کے ابتدا میں
 باری تعالیٰ نے تین نام ظاہر فرمائے ہیں اور اس جملہ کے پہلے سوال میں بھی ایسے ہی تین امور
 کا ذکر ہے کہ جنکا فرداً فرداً تعلق ان تین ناموں سے ہر وہ تین انسان کی جسمانی اخلاقی اور
 روحانی حالت کا بیان ہے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ - مَلِكِ النَّاسِ - اِلٰهِ النَّاسِ -
 غور فرمائیے ابتدا میں انسان ایک جسم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اٰخِرُ حُجَّتُمْ مِّنْ بَٰرِئِ
 اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا اور بے رب انسان کا بچہ جب ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے
 تو بجز اسکے کہ اسکو جسمانی ضرورتیں سب سے پہلے پیش آتی ہیں اور کن علوم کی اسکو ضرورت ہے؟
 اور بالکل ظاہر ہے کہ اگر مولیٰ کریم رب العالمین انسان کی ربوبیت نہ فرماوے اور چوسنے پھر گلو
 سے آٹارنے کا علم نہ بخشے پھر مضم کی نالیاں اس غذا پر تصرف نہ کریں پھر شریانون میں اور
 پھیل پھیل میں غن مضاف ہو کر جزو بدن نہ ہو تو انسانی نشوونما کا کیا ٹھکانہ ہے اسی طرح

جسمانی غذا میں ماں کی چھاتیوں اور حیوانات کے عمدہ عمدہ دودھ میسر نہ آوے تو نو زادہ انسان کی نسبت کسی کامیابی کی کیا امید ہو سکتی ہے اسی طرح روشنی اور ہوائیں عمدہ طور پر نہ پہنچیں تو انسان کی جانبری کیونکر ممکن ہے؟

صاحبانِ انسان کی احوالت پر نظر کرو جو اسکو لطفِ کمال کی باتیں لاحق ہیں اور ہر انسان کے اس کمال و استواری پر نظر کرو جو جس میں وہ اپنے دائرہ کمال کی تکمیل کرتا ہے۔ اور پھر انصاف سے دیکھو کہ یہ تمام سامان کمالاتِ جسمانیہ اپنے اصول و فروع سے کس نے عطا فرمائے تو آپ یقین فرمائیں گے کہ ایک ربِّ الناس جس نے ایک طرف اسکو جذبِ موادِ طیبہ کی طاقتیں عطا فرمائیں دوسری طرف موادِ طیبہ کا بے انت خزانہ دیا چونکہ وہ ذاتِ پاک طیب اور ہر ایک خبت و نجاست سے منزہ ہے انسان کے جسمانی حالات کی ترقی کے لیے بھی اُس نے کیسے کیسے اسبابِ طیبہ جنبا کر دیئے ہیں جب انسان اپنی جسمانی حالت کی ایک حد تک تکمیل کر لیتا ہے تو اسکی عمدہ پرورش کے بعد انسان کے اخلاق کا نشو و نما ہوتا ہے کبھی اسکو افول و اقسام کی خواہشیں پیدا ہوتی ہیں ایسے رنگارنگ خوراک کیلئے قسم قسم کے غلے۔ پھل۔ پانی۔ عرق۔ شیرینیاں۔ ترشیاں جمع کرتا ہے پہننے کے واسطے اور ایسا ہی گرمی سردی چھو روشنی ہارش اور گرد و غبار سے بچنے کے لیے ایسا ہی محنت و مزدوری پیش و عشرتِ جنگ و غیرہ وغیرہ حالات مختلفہ کے لیے اسے مختلف اسباب مہیا کرنے پڑتے ہیں اپنے آرام کی خاطر اسکو مکانات بنانے پڑتے ہیں جن میں انسان کو گرمی۔ سردی۔ غبار۔ ہارش کا لحاظ کرنا پڑتا ہے اپنی ضروریات کے واسطے مختلف چیزیں رکھنا چاہتا ہے۔ قوامِ شہوانیہ اور بقائے نسل کے خیال سے اسکو جوڑے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تولیے غضبیبہ کو بھیجیے جوش میں لانا پڑتا ہے جب دیکھتا ہے کہ اسکی اغراض اور مطالب ضروریہ اور صحیحہ میں کوئی روک ٹوک ہے انسان اپنے مطالبِ جسمانیہ اور اخلاقیہ میں گاہے قوتِ استقلالِ بہت بلند کے ساتھ نجات و بہادری سے بھی کام لینا پڑتا ہے اور جب اس کے بنی فروع سے کوئی اسکا مقابلہ کرتا ہے

اور اسکے اغراض و مطالب اور شہوت و بلند وصلگی و کامیابی میں جملہ کرتا ہے تو اسکو بادشاہوں اور حکام کی احتیاج پڑتی ہے اور کبھی حکام میں سے اسکا محتاج ایسا کم - قوت عدل - انصاف - رحم - شفقت - غور و فکر سے کام نہیں لیتا تو اسکی فطرت کو ایک ایسی عظیم الشان طاقت کی طرف جھکنا پڑتا ہے جو سب حکام کا حکم اور بادشاہوں کا بادشاہ ہی اسکے حضور گذر کر آتا ہے کہ میرے دشمنوں اور میرے ظالم کاٹو تو انصاف کرو میرے مطالب و مقاصد میں تو میرا انصاف فرما اس بادشاہ عظیم الشان کا نام ملک الانس ہے نیز خود انسان کے لیے اگرچہ اکثر اوقات ایسے بادشاہ ہوتے ہیں جو اسکو جرائم کے ارتکاب اور اس کے خلاف ورزی پر سزا دیتے ہیں مگر بعض جگہ اور بعض موقعوں پر یا تو حکام و بادشاہ موجود ہی نہیں ہوتے جیسے بعض مہذب بلاد میں بھی بعض وقت ایسا معاملہ پیش آجاتا ہے اور بعض مکانات اور میدانوں پہلوں میں ایسا اتفاق ہوتا ہے اور غیر مہذب بلاد میں تو اکثر ہی ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں نیز ارتکاب جرم وقت اگر دنیوی حکام اور ناظم اگرچہ اپنے قوانین کے روبرو انسان کی اخلاقی حالت اور انسان کی تمدنی اور سوشل حالت پر اثر ڈال سکتی ہیں جیسے اوپر مفصل طور پر پیش کیا ہے مگر انسان کے اندرونی خوشنویر جسکی باعث کوئی انسان جرم کا ارتکاب کرتا ہے ایک ایسی زبردست طاقت کا اعتقاد انسان کی اخلاقی حالت کی اصلاح کیلئے ضروری ہے جسکی نگرانی پر یقین انسان کو یہاں تک بڑھا ہوا ہو کہ وہ انسان کے موجودہ یا آئندہ ارادوں کا علم رکھتا ہے اور پھر قابل غور بد اخلاق کو سزا دیتا ہے اسکا نام اس سورہ تشریف میں ملے اللہ تعالیٰ ہے کیا معنی وہ بادشاہ جو انسان کے قوی علمیہ اور عقلیہ اور انسان کے علم و عمل اور انسان کے کرم اندریوں بلکہ گنہ اندریوں پر حکمران ہے پھر جسمانی اخلاقی دونوں حالتوں کی تکمیل کے بعد انسان کی روحانی حالت زور پکڑتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا جسم کمال پر پہنچا اور قہم کی کمالیت صحیح و ندرست ہو تو انسان کی اخلاق فاضلہ کی ضرورت نہ رہے، مگر جب جسم و اخلاق دونوں کمال کو پہنچ جائیں تو اب اسکو ابدی نور و ازل آرام کی خواہش پیدا ہوتی ہے اگر بقا کی خواہش انسان کی فطرت و جبلت میں ہوتی تو علم طب کی یہ ترقی نہ دیکھتے جو آج نظر آتی ہے اور مذہب کی تحقیقات پر کوئی جلسہ نہ ہوتا کی اور نیک جلسہ کے اصول منضبط نہ ہوتے روح کی کمال محبت اور پورا پورا پوری چیز جو میں روح کو کامل طاعتیت ہی اس کا نام ہے اسلام میں اللہ

تمام تعلقات سے خواہ جسمانی ہوں اور خواہ اخلاقی اندرونی ہوں یا بیرونی جب انسان کو آرام نہیں ملتا تو یہ نام لے کر
کیلیے راحت بخش ہے اسکا نام ہے (اللہ الناس)۔ انسان کا اصل مطلب اور غایت درجہ کا محبوب اور معبود ہے
غرض انسان نے تینوں حالتوں جسمانی - اخلاقی - روحانی میں جو جسم کا مربی قوی کا مربی روح کا مربی ہے
اسکو اس سورہ میں رب الناس کہا ہے اور وہ ذات جو جسمانی - اخلاقی - روحانی - افعال - اقوال - اعتقاد
پر جزا دیتا ہے تب اسکا نام ہے ملک الناس کہا ہے میرے پیارے امام حجۃ الاسلام نے اپنے فیظیر
مضمون میں اس کی مفصل بحث فرمادی ہے :

اب غور فرمادیں جب اس سورہ میں انسان کی حالتوں کی طرف اشارہ کر کے اللہ کریم نے فرمایا کہ رب
بھی میں ہوں اور بادشاہ بھی میں ہوں اور محبوب و مطلوب اور غایت مقصود بھی میں ہی ہوں تو
میرے بند و مجھ کا کل پاک ذات سے پناہ مانگ لو اور کمزور ہاں ہر ایک انسان تم سے کہہ دے کہ میں
ربوبیت اور ضرورت حکومت میں اور ضرورت محبت میں رب الناس - ملک الناس - اللہ الناس
کی پناہ مانگتا ہوں اور پناہ بھی کس امر میں میں بشرًا اَوْ مَلَكًا اَوْ نَسُوتًا اَوْ اَلَدَّیْنِ مِمَّنْ شَرَحْتُ
فی صُفُوِّ النَّاسِ مِنَ الْخَلْقِ وَ النَّاسِ :

صاحبان ! تم نے مختلف مضامین سننے اور انہیں اس قسم کی باتیں تمہارے کانوں نے
سنیں تمہاری آنکھوں پر تمہارے دلوں تک پہنچیں جن میں صداقت اور کامل راستبازی ہوگی
اور ایسی بھی جن میں محض کذب و افتراء اور دھوکا ہوگا۔ یہ قرآن کی آخری سورۃ کیسی بے نظیر اور
لطیف ہے جس میں بیان ہے کہ تم اللہ کریم المولیٰ الرؤف الرحیم رب الناس ملک الناس
اللہ الناس سے پناہ مانگ لو ان تمام غلطیوں اور دوسو سوں سے جو کسی موسوس کے نظارہ یا
کلام سے پیدا ہوئے ہوں۔ کیونکہ ان دوسو سوں کی مثال ہو ہو اس تکلیف رساں کہنے کی تھی
ہے جو اٹھ سو پہر کاٹنے کے لیے طیارے جہاز اس کتے سے بچنے کے لیے ہم کو اس کے
مالک کی پناہ مانگنی ہے اور اگر اسکا مالک ہمیں بچا یا چاہے اور اس کتے کو دھنکار دے تو کیا حال
کہ وہ کتہ کی کو کاٹ کھائے اسی طرح انسانی یا شیطانی دوسو سوں سے بچنا بھی اس وجودِ کریم
پناہ سے ہوگا جو کل مخلوقات کا رب مالک اور محبوب ہے۔ دوسو اس نام ہے ہر ایک ایسی چیز کا
جسکا برا ہونا ہم سے مخفی رہ گیا ہے اور جس کی بدی سے ہم بے خبر رہے اور اس کی شرارت ہمارے
جسم پر یا اخلاقی پر یا روحانی معاملات پر برا اثر ڈالتی ہو یا ڈالا ہو اور ہمیں اسکی اطلاع نہ ملی ہو
چاہے وہ مخفی چیز ہو چاہے وہ انسان یا شیطان بصورت انسان سے ہیں چاہے اپنے آپ
یہ دعا مانگتا ہوں اور آپ کو یہ دعا مانگنے کی سفارش کرتا ہوں کہ اس جلسہ میں جو کچھ ہم
نے سنا اس میں سے جو کچھ ہمارے جسم - اخلاق اور روح کیلئے مفید نہ ہو بلکہ کسی نہ کسی مخفی طریق سے
وہ نقصان رساں ہو اسکو شکر سے بچنے کیلئے اس ذات پناہ مانگیں جو رب الناس - ملک الناس اور
اللہ الناس سے کیونکہ انہی صفات کے ماتحت انسانی جسم - اخلاق اور روح کی تکمیل
ہوتی ہے اور عرض کرتا ہوں کہ یہ قرآن کی خاتم اب اس جلسہ کا خاتم ہو۔ فقط

قاعدۃ سیر القرآن

یعنی عربی کا قاعدہ جس کے پڑھنے سے ایک بچہ
چھ ماہ میں قرآن شریف ختم کر لیتا ہے۔ ایسا مفید ثابت ہوا ہے اور اس قدر اسکی
اہمیت بڑھ گئی ہے کہ اب اس کا چوتھا ایڈیشن بھی قریب الاختتام ہے اور کچھ
دنوں بعد احباب کو پانچویں ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔ دواستیں جلدی فی چالیس
پارہ اول چونکہ ایسے قرآن شریف یا علیحدہ پارے بہت کم ملتے ہیں جن پر
دوم سوم اعراب صحیح لکھے ہوں اور قاعدہ سیر القرآن ختم کر کے
بچے آسانی قرآن شریف پڑھ سکیں۔ ہم نے یہ وقت محسوس کر کے قاعدہ سیر القرآن
کی طرز پر پارہ اول دوم سوم خاص اہتمام سے چھپوائے ہیں۔ جو احباب
اپنے بچوں کو قاعدہ سیر القرآن شروع کرواتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ قاعدہ ختم
ہونے پر پہلے یہ پارے پڑھائیں تا بچہ کو قرآن شریف پڑھنے میں وقت نہ ہو۔
یہ پارے ان بچوں کیلئے بھی مفید ہیں جو دوسرے قاعدے پڑھتے ہیں۔ کیونکہ انپر
اعراب بہت صحیح اور اپنے اپنے موقع پر دیئے گئے ہیں۔

نیز ہم نے ایسے قرآن شریف بھی منگوائے ہیں جو نسبتاً بہت صحیح ہیں اور اعراب
اپنے اپنے موقع پر صحیح دیئے ہیں۔ ہماری رائے میں عام قرآن شریفوں کی نسبت انپر
پڑھنے سے بچوں کو بہت سہولت ہوگی۔ تینوں پارے ار فی پارہ کے حساب سے
اور قرآن شریف بے جلد غیر پر دفتر میگزین قوانین سے مل سکتے ہیں۔
قصائد احمدیہ حضرت اقدس کی اردو اور فارسی نظمیں پہلے الگ شائع ہو چکی
من الامام میں گویا ایک آپ بیتی قصائد الگ رسالہ کی شکل میں شائع
حجۃ الاسلام نہیں ہوئے تھے اب عربی قصائد بھی جمع کر کے ایک
کتاب کی شکل میں شائع کیئے گئے ہیں۔ یہ قصائد نہ صرف معارف و اسرار سے لہریں
ہیں اور حمد الہی اور نصرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خراشن اور حضرت قدس

کے ذیل سے پڑھیں کہیں کا بھی ایک اعلیٰ درجہ میں۔ یہ کتاب ۱۵ صفحوں پر ختم ہوتی ہے قیمت صرف دو تین روپے مقرر ہوئی ہے اور اس کی کاپی

اظہار حقیقت

اس کتاب میں بڑی وضاحت کے ساتھ حضرت بادشاہ
رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح اور اقوال سے جو گہرے حقائق
جنم ساکھی۔ تواریخ خالصہ اور سکھوں کی دیگر مستند کتابوں سے بیٹے گئے ہیں اور جن
جا بھی مفصل حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ باوا صاحب ہندوؤں
عقائد سے بالکل بیزار تھے۔ مورتی پوجا۔ مسئلہ چھوٹ چھات۔ تیرتھوں۔ رسم جڈ
تساخ وغیرہ کا کھنڈن یعنی رد کرتے تھے۔ اسلام کے شہرہ اولیاء کرامؑ کے مقابلہ پر فیض
کرنیکے لیے چلے گئے تھے۔ عقائد اسلام کے پورے پابند تھے:

تین سال اس کتاب کو شائع ہوئے ہو گئے ہیں۔ مگر اب تک کسی ہندو یا
اسکا جواب لکھنے کی طاقت نہیں ہوئی۔ جن صاحبوں کو سکھ مذہب کی تحقیق یا
رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح پڑھنے کا شوق ہو یا جن احباب کو سکھوں کے ساتھ
بات چیت کرنے کا موقع ملتا ہو وہ ضرور یہ کتاب پڑھیں۔ خالصہ قوم میں
کا بھی بڑا عہدہ ذریعہ ہے۔ تقریباً دو سو صفحہ کی کتاب ہے مگر قیمت محض تبلیغ
اشاعت کی غرض سے بہت کم یعنی صرف ۵ روپے:

پارہ سہم مترجم

چونکہ ہم مسلمان قرآن شریف کی سورتیں نماز میں پڑھتے ہیں
یہ صاف ظاہر ہے کہ صرف عربی عبارت ناظرہ یا حفظ پڑھ لینے
مطلب نہ سمجھنے سے دل میں خدشہ خفتہ نہیں پیدا ہوتا۔ اور اسی لیے نمازی وہ
کہ ان الصلوٰۃ تنہ عن الفحشاء والمنکر کے نیچے نہیں آتا۔ اس لیے ہر ایک
پر لازمی ہے کہ کم سے کم آخری پارہ کو با ترجمہ پڑھے۔ اور اپنے بچوں کو بھی پڑھ
اور حفظ کروائے۔ ہمارے پاس پارہ عم مترجم۔ موسے کاغذ پر عمدہ خوش خط
چھپے ہوئے موجود ہیں۔ ہر یہ صرف ۳ روپے

شائقین بیخبر میگزین۔ قادیان ضلع گورداسپور سے طلب کریں